MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL
ماہنامہ
مرآۃ العارفین انٹرنیشنل
لاہور
جلد نمبر 23
شمارہ نمبر 06
اکتوبر 2022ء، ربیع الاول 1444ھ
WWW.MIRRAT.COM

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ

وعلیٰ آلک واصحابک یا سیدی یا حبیب اللہ

سیرت نمبر

سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ کے صوفیانہ تصور کی تفہیم

Congregations of Prophet ﷺ

مَجالِسۃُ النّبی ﷺ

A Study of Sultān Al-'Arifīn Sultan Bahoo's Classic Text

By:

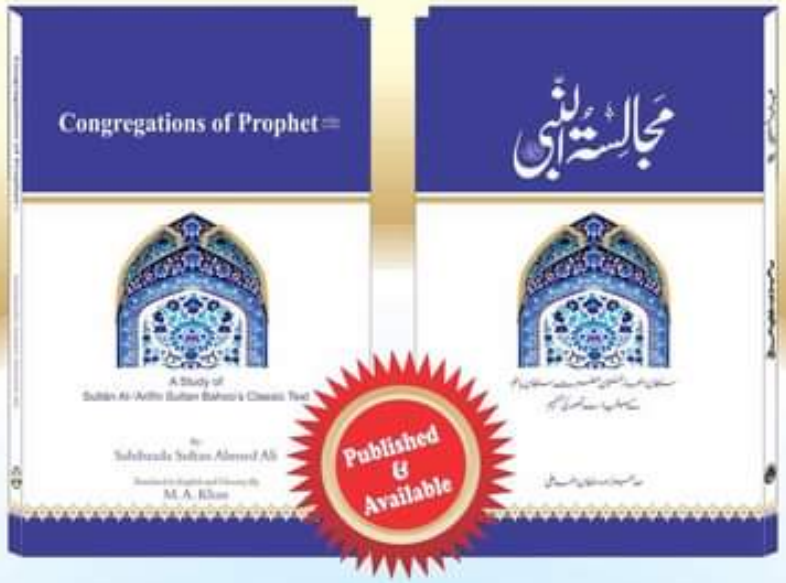

Sahibzada Sultan Ahmed Ali

Translated in English and Glossary By

M. A. Khan

اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں

مکتبہ العارفین پبلیکیشنز سے خریدی جا سکتی ہیں

العارفین پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور۔ پاکستان

اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں

ہیڈ آفس: دربار عالیہ حضرت سلطان باھوؒ تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ (پنجاب) پاکستان

پی او بکس نمبر 11 جی پی او لاہور

ویب سائٹ: www.alfaqr.net

ای میل: alarifeenpublication@hotmail.com

مسلسل اشاعت کا تیسواں سال

MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماہنامہ

مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

لاہور

اکتوبر 2022ء، ربیع الاول 1444ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فیضانِ نظر

سُلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحب قدس اللہ سرہ

چیف ایڈیٹر: صاحبزادہ سلطان احمد علی

ایڈیٹوریل بورڈ:
- سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ
- مفتی محمد شیر القادری
- افضل عباس خان

آرٹ ایڈیٹر:
- محمد احمد رضا
- واصف علی

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان،
اصلاحِ انسانیت کا پیامبر، اتحادِ ملتِ بیضا کے لئے کوشاں، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی

اس شمارے میں

1	اقتباس		1
	اداریہ		
2	دستک		4
	سیرت نمبر		
3	جدید ادارے اور سماجی روحانیت: سیرت النبی (ﷺ) کے تناظر میں	صاحبزادہ سلطان احمد علی	6
4	سوشل میڈیا کے فرد کی اخلاقی قوت اور صلاحیتوں پر مضر اثرات: سیرت طیبہ کی روشنی میں ان کا حل	ڈاکٹر حافظ فیض رسول	13
5	تمدنی شعور کی بیداری اور سماجی ذمہ داریوں کا احساس: سیرت النبی (ﷺ) سے متعین کردہ اصولوں کی روشنی میں	لئیق احمد	19
6	قوموں اور ملی رویوں کی مثبت تشکیل کیلئے تعلیمات نبوی (ﷺ) سے انقلابی لائحہ عمل	مفتی محمد شیر القادری	23
7	اکلِ حلال اور صدقِ مقال: تعلیمات نبوی (ﷺ) کے تاکیدی پہلو	مفتی محمد منظور حسین	29
8	تواضع و حسنِ معاشرت خاصہ خاصانِ رسل (ﷺ)	مفتی محمد صدیق خان قادری	38
9	تزکیۂ نفس منہج دعوتِ رسول (ﷺ) کی روشنی میں	مفتی محمد اسماعیل خان نیازی	44
	باھو شناسی		
10	Abyat e Bahoo	Translated by: M.A Khan	49

اندرون ملک نمائندے

شہر	نمائندہ
اسلام آباد	مہتاب احمد
کراچی	لئیق احمد
فیصل آباد	ڈاکٹر غضنفر عباس
ملتان	شبیر حسین
لاہور	حافظ محمد ریحان
کوئٹہ	رسالت حسین
پشاور	سید حسین علی شاہ

بیرون ممالک نمائندے

ممالک	نمائندگان
اٹلی	چوہدری ناصر حسین
انگلینڈ	منظور احمد خان
ساؤتھ افریقہ	آصف ملک
سعودی عرب	مہر کریم بخش
سپین	محمد عقیل
کینیڈا	ثقلین عباس
متحدہ عرب امارات	نصیر شاہ
ملائشیاء	محمد شفقت
یونان	محمد شکیل

فی شمارہ نیوز پیپر	فی شمارہ آرٹ پیپر
70 روپے	100 روپے
سالانہ (ممبرشپ) 840 روپے	سالانہ (ممبرشپ) 1200 روپے

سعودی ریال	امریکی ڈالر	یورپین پونڈ
800	400	280

اپنی بہترین اور موثر کاروباری تشہیر کیلئے مرآۃ العارفین میں اشتہار دیجئے رابطہ کیلئے: 0300-8676572

برائے خط و کتابت: ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل P.O.Box No.11 جی پی او، لاہور E-mail: miratularifeen@hotmail.com
WWW.ALFAQR.NET, WWW.MIRRAT.COM

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ" (الانفال:33)

"اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب (ﷺ) تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں"۔

"حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ)!

"قلبت مشارق الارض و مغاربها فلم اجد رجلا افضل من محمد (ﷺ) ولم ار بيتا افضل من بيت بني هاشم۔

"میں نے زمین کے اطراف و اکناف اور گوشہ گوشہ کو چھان مارا تو میں نے محمد (ﷺ) سے بہتر کسی شخص کو پایا اور نہ ہی بنو ہاشم سے بہتر کوئی گھر دیکھا"۔ (الطبرانی فی معجم الاوسط، رقم الحدیث:6285)

سبحانی محبوب ربانی غوث الاعظم محی الدین

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی

فرمان

"سیدی رسول اللہ (ﷺ) کا فرمان مبارک ہے: "میں اللہ عزوجل کے نور سے ہوں اور تمام مومنین مجھ سے ہیں"۔ پھر اللہ عزوجل نے تمام ارواح کو عالم لاہوت میں روحِ محمدی (ﷺ) سے پیدا فرمایا اور عالم لاہوت ہی میں انہیں احسن صورت حقیقی دے کر انسان کے نام سے موسوم کیا اور عالم لاہوت ہی ان کا اصلی وطن ہے، جب اس پر چار ہزار سال گزر گئے تو اللہ عزوجل نے سیدی رسول اللہ (ﷺ) کے نورِ چشم سے عرش و کرسی کو پیدا فرمایا اور پھر عرش کے نور سے تمام کائنات کو پیدا فرمایا پھر تمام ارواح کو کائنات کے سب سے نچلے درجے یعنی عالم اجسام میں منتقل کیا۔ جیسا کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: "پھر ہم نے اُسے سب سے نچلے درجے میں اُتارا" یعنی سب سے پہلے انہیں عالم لاہوت سے عالم جبروت میں اُتارا گیا جہاں اللہ عزوجل نے انہیں حرمین کے درمیان نورِ جبروت کا لباس پہنایا جس میں وہ ارواح سلطانی کہلائیں"۔

(سرّ الاسرار)

سلطان العارفین

حضرت سلطان باھو

فرمان

اندر وِچ نماز اساڈے ہِکسے جاتیوے ھو
نال قیام رکوع سجودے کر تکرار پڑھیوے ھو
ایہہ دل ہجر فراقوں سڑیا ایہہ دم مرے نہ جیوے ھو
سچا راہ محمد ﷺ والا باھو جیں وِچ رب لبھیوے ھو

(ابیاتِ باھو)

فرمان قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ

ایمان، اتحاد، تنظیم

"ہماری عظیم اکثریت مسلمان ہے۔ ہم رسول اللہ (ﷺ) کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔ ہم اسلامی ملت و برادری کے رُکن ہیں جس میں حق، وقار اور خودداری کے تعلق سے سب برابر ہیں نتیجتاً ہم میں اتحاد کا ایک خصوصی اور گہرا شعور موجود ہے"۔

(آسٹریلیا کی عوام سے نشری خطاب، 19 فروری 1948ء)

فرمان علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

(بالِ جبریل)

سیرتِ نبوی (ﷺ): ریاست اور ہماری ذمہ داریاں

بلاشبہ تاجدارِ انبیاء، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ (ﷺ) کی سیرتِ طیبہ حیاتِ انسانی کے ہر پہلو کا جامع و کامل احاطہ کرتی ہے- چاہے امورِ سیاست ہوں، معیشت ہوں، معاشرت ہوں یا دیگر عمرانی و سماجی مسائل ان میں یقیناً ہم بحیثیتِ مسلمان حضور نبی کریم (ﷺ) کی سیرتِ مبارکہ سے رہنمائی لیتے ہیں- یہاں ایک سوال ہمیں دعوتِ فکر دیتا ہے کہ جب سیدی رسول اللہ (ﷺ) کی پاک نسبت کی وجہ سے اُمت کو بھی بہترین امت قرار دے دیا گیا اور جب اللہ پاک نے آپ (ﷺ) کی اُمت کی افضلیت کا اعلان فرمایا ہے تو آج ذلت و رسوائی ہمارا مقدر کیوں ہے؟

آپ (ﷺ) وہ طبیبِ اعظم ہیں جنہوں نے نہ صرف پوری انسانیت کو رہنما اصول عطا فرمائے بلکہ اپنی امت کو قرآن و سنت کی صورت میں بیش بہا خزانہ عطا فرما کر قبل از وقت اس کی کمزوریوں سے بھی آگاہ فرمایا- جیسا کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: قریب ہے کہ دیگر اقوام تم پر یوں ٹوٹ پڑیں گی جیسے بھوکا کھانے سے بھرے ہوئے پیالے پہ ٹوٹ پڑتا ہے ایک شخص نے بارگاہِ اقدس میں عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ): کیا ان دنوں ہماری تعداد کم ہوگی؟ حضور رسالت مآب (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: بلکہ ان دنوں تم اکثریت میں ہوگے لیکن ایسے بیکار ہوگے جیسے سمندر کی جھاگ، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارے رعب کو نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں "وھن" کی مرض پیدا فرمادے گا- سائل نے عرض کی: یارسول اللہ (ﷺ)! وھن کیا ہوتا ہے؟ تو حضور رسالت مآب (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: "حُبُّ الدُّنْیَا وَ کَرَاھِیَۃُ الْمَوْتِ"، "دنیا سے محبت اور موت سے نفرت"-

دراصل وہن کی مرض تب لگتی ہے جب سیرتِ مصطفےٰ (ﷺ) قلب و نظر کا مرکز و محور نہ ہو اور دل عشقِ مصطفےٰ (ﷺ) و نورِ ایمان سے خالی ہو جائے- آج اُمتِ مسلمہ کی موجودہ صورتِ حال اس حدیث مبارک کی عکاس نظر آتی ہے، ان حالات میں ہماری ذمہ داریاں کیا بنتی ہیں؟ اس سلسلے میں نہایت اختصار سے گزارش ہے کہ اُسوۂ رسول (ﷺ) کو مکمل طور پہ اپنایا جائے نہ کہ جزوی طور پہ- محض لباس اور وضع قطع کا بدلنا مطلوب نہیں- بلکہ جہاں ہم اپنے آقا سرورِ کائنات (ﷺ) کے ظاہری سنتوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں وہاں سیدی رسول اللہ (ﷺ) کی زُبان گوہر فشاں سے نکلے ہوئے ان الفاظ مبارک "تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ" کو مدِ نظر رکھتے ہوئے باطنی اعمال صالحہ (توکل، استغنا، اللہ عزوجل سے قلبی لَو و قلبی ذکر، عزم و استقلال وغیرہ کو بھی) اپنائیں- ہم جہاں کہیں بھی جس شعبہ میں ہیں قرآن و سنت کا فہم حاصل کریں اور اپنے وجود پہ قرآن و سنت کے احکام اور نظام مصطفےٰ (ﷺ) کا نفاذ کریں-

اگر پاکستان کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آپ (ﷺ) کی نگاہِ کرم اور نگاہِ فیض کا ہی نتیجہ تھا کہ مدینہ منورہ کے بعد دوسری نظریاتی مملکت (مملکتِ خداداد پاکستان) نظریہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی بنیاد پر وجود میں آئی- لیکن شاید ہم یہ بھول چکے ہیں کہ بانیانِ پاکستان کا مقصد صرف ایک خطہ زمین کا حصول نہیں تھا، بلکہ ایسی اسلامی فلاحی مملکت کا قیام تھا جہاں اسلام کے سنہری اصولوں کے مطابق حکومت اور نظامہائے حیات کو تشکیل دیا جاسکے- بانیٔ پاکستان محمد علی جناح (رحمۃ اللہ علیہ) نے 25 جنوری 1948ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے واضح فرمادیا تھا کہ اسلامی اصول آج بھی ہماری زندگی کے لیے اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح 1300 سال پہلے قابل عمل تھے- میں نہیں سمجھ سکا کہ لوگوں کا ایک گروہ جان بوجھ کر فتنہ اندازی سے یہ بات کیوں پھیلانا چاہتا ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کی بنیاد پر مدون نہیں کیا جائے گا"- اسی طرح قائداعظمؒ نے دو

ٹوک الفاظ میں فرمایا تھا کہ "آپ جب جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا- ہم نے جمہوریت 1300 سال قبل سیکھ لی تھی"-یعنی 1300 سال قبل حضور نبی اکرم (ﷺ) نے ریاستِ مدینہ کی صورت میں ہمارے لیے ریاست اور حکمرانی کے اسلامی اصول وضع فرمادیے تھے جن پر ہمیں پاکستان کی تعمیر و تشکیل کرنی ہے-مثلاً حضور نبی کریم (ﷺ) کی قائم کردہ ریاست (ریاستِ مدینہ) میں لوگوں کو بلا تفریق رنگ و نسل اور مذہب و علاقہ برابر کے انسانی حقوق میسر تھے اور وہاں یکساں معاشی و معاشرتی عدل و انصاف قانون کی حکمران، مساوات، رواداری اور اخوت و برداشت کا بول بالا تھا-الغرض! ریاستِ مدینہ کا ماڈل ہر طرح سے انسانی خوشحالی و فارغ البالی کی پوری ضمانت دیتا ہے-

بدقسمتی اسلامی جمہوریہ پاکستان جس نے دنیا میں مدینہ ثانی کا کردار ادا کرنا تھا اور خود کو ریاست مدینہ کے ماڈل پر ڈھالنا تھا وہ اسلامی اصولوں سے عملی طور پر تہی دامن نظر آتا ہے-یہی وجہ ہے کہ پاکستان اس وقت کئی طرح کے سیاسی و سماجی اور معاشی و نظریاتی مسائل اور داخلی عدم استحکام سے دوچار ہے جو پاکستان کو دن بدن تنزلی کی طرف دھکیل رہا ہے-

آج پاکستان کے ریاستی نظام اور ریاستی نظم و نسق کو اسلامی اصولوں پر عملاً ڈھالنے کی اشد ضرورت ہے جس کیلئے ہر فرد کو انفرادی و اجتماعی سطح پر اپنا کلیدی کردار ادا کرنا ہے-بالخصوص ملک کے اربابِ اختیار کو اپنے رویوں اور طرزِ حکمرانی کو بدلتے ہوئے پاکستان کے خوشحال مستقبل اور ان مقاصد و اہداف پر فوکس کرنا ہوگا جن کیلئے پاکستان حاصل کیا گیا ہے-مزید برآں! سیرت النبی (ﷺ) سے رہنمائی لیتے ہوئے قرآن و سُنت کے مخالف قوانین سے اعراض کرتے ہوئے پاکستان اپنے موجودہ داخلی و خارجی مسائل اور چیلنجز سے بہتر انداز میں نمٹ سکتا ہے بشرطیکہ ہم ہر شعبے میں اپنی نوجوان نسل کو پاکستان کی ترقی و خوشحالی کیلئے تیار کریں اور انہیں نظریہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پر قائم ریاستِ پاکستان کا حقیقی وفادار بنائیں کیونکہ یہی استحکامِ پاکستان اور بقائے پاکستان کی ضمانت ہے-

Workplace Spirituality

جدید ادارے اور سماجی روحانیت

سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں

صاحبزادہ سلطان احمد علی
چیئرمین مسلم انسٹیٹیوٹ-دیوان صاحب آف جوناگڑھ سٹیٹ

اگرچہ دنیا میں مکانِ کار (Workplace) پر فرد کی جسمانی ونفسیاتی جہات کا وسیع پیمانے پر مطالعہ کیا گیا ہے لیکن کئی برسوں سے فرد کی روحانی جہت کو نظر انداز کیا جاتا رہا-[1] شاید اب دنیا کو یہ احساس ہوا ہے کہ موجودہ صدی میں جمود و تعطل اور مادیت پرستی وروحانی امراض نے جس قدر تیزی سے انسان کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے ایسے میں تمام شعبہ ہائے زندگی میں فرد کے روحانی استحکام و روحانی استخلاص، عرفانِ خودی و خود گری (Self-actualization) اور قلبی و باطنی تطہیر کیلئے روحانیتِ اسلام (Islamic Spirituality) سے رہنمائی ناگزیر ہے جس سے انفرادی و اجتماعی سطح پر کار آمد مقاصد و اہداف کا حصول ممکن بنایا جاسکتا ہے-عصر حاضر کے نامور فرانسیسی ڈاکٹر موریس بوکائیے نے اپنی تصنیف "بائبل، قرآن اور سائنس" میں اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

> "موجودہ سائنس (کے تحت ہونے والی مادی ترقی) نے انسانی دماغوں کو جس قدر ناپاک کر دیا ہے ان کو پاک کرنے کیلئے بڑی روحانی قوت کی ضرورت ہے اور وہ اسلام کی تعلیمات سے ہی حاصل ہو سکتی ہے"-

روحانیت کی اس ناقابلِ انکار ضرورت و اہمیت کے پیشِ نظر گزشتہ چند دہائیوں سے سماجی روحانیت (یا روحانیت بہ مکانِ کار) (Workplace Spirituality) کے تصور نے جنم لیا ہے جس نے انسانی وسائل کی ترقی (Human Resource Development) کیلئے مینجمنٹ کے ماہرین و محققین کی بھر پور توجہ حاصل کی ہے اور یہ بزنس و مینجمنٹ سائنسز اور لٹریچر کا حصہ بن چکی ہے-اس وقت دنیا کے مختلف ممالک کی سماجی روحانیت کی جانب نہ صرف دلچسپی بڑھی ہے بلکہ بہت سارے ادارے اپنی کارگردگی میں بہتری وترقی اور دیرپا مثبت نتائج کے حصول کیلئے اس کو اپنانا قاعدہ اپنا رہے ہیں-

سماجی روحانیت (Workplace Spirituality) ایک کثیر الجہتی اور پیچیدہ اصطلاح ہے جس کی کوئی جامع تعریف کرنا دشوار ہے-Markow اور Klenke کا دعویٰ ہے کہ "سماجی روحانیت" کی 70 سے زیادہ تعریفات ہیں-[2] اکثر جدید محققین نے یہ تسلیم کیا ہے کہ "سماجی روحانیت" تمامیت کے شعور، کام کے ساتھ ربط اور اعلیٰ اخلاقیات و اخلاقی اقدار پر مشتمل ہے- اس کے علاوہ باطنی حیات، کام میں معنی خیزی (Meaningful Work)، اجتماعی احساس (Sense of Community)، اقدار کے ساتھ وابستگی، سماجی شراکت کا احساس "سماجی روحانیت" کے اہم عناصر میں شمار ہوتے ہیں-[3] مزید یہ کہ ہم آہنگی، بھروسہ، حوصلہ وہمت، جدّت، قبولیت، ہمدردی، عمل اور اچھائی کا احساس بھی اس کا حصہ ہیں-[4]

Cornell University کے پروفیسر رابرٹ گیاکالون اور University of Massachusetts Boston کی

---

[1] https://www.muslim-perspectives.com/Publication-Detail?publication=24/Role-of-Workplace-Spirituality-in-Achieving-the-High-Job-Performance-and-Job-Satisfaction:-Employees-of-Social-Welfare-Organizations-of-Pakistan
[2] https://journals.sagepub.com/doi/pdf/10.1177/27526461211065168
[3] https://journals.sagepub.com/doi/full/10.1177/2278682120908554
[4] https://journals.sagepub.com/doi/pdf/10.1177/27526461211065168

پروفیسر کیرول ایل جرکیو چزنے "سماجی روحانیت" کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"Workplace Spirituality is a framework of organizational values evidenced in the culture that promote employees' experience of transcendence through the work process, facilitating their sense of being connected to others in a way that provides feelings of completeness and joy"

"سماجی روحانیت، ادارہ جاتی کلچر میں موجود باقاعدہ اقدار کا ایک ایسا نظام ہے جو رفقائے کار میں دوسروں کے ساتھ منسلک ہونے کے احساس کے ذریعہ سبقت لے جانے کے تجربہ کو اس طرح بڑھاتا ہے کہ انہیں تکمیل اور مسرت کا احساس ہو"۔

ڈاکٹر ولیم اے گلورے نے "سماجی روحانیت" کی تعریف کرتے ہوئے اپنی کتاب؛

"The Living Organization: Spirituality in the Workplace"

میں بیان کیا ہے کہ:

" سماجی انسان کا اندرونی شعور ہے جو باقی لوگوں کے ساتھ باہمی ربط، وحدت اور ہم آہنگی کو فروغ دیتا ہے"۔

"سماجی روحانیت" میں قائدانہ ترقی کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اور یہ اپنے رفقائے کار کو ذاتی سچائی، دیانتداری، اقدار اور اخلاقی عملیت پسندی مہیا کرتی ہے -[5] مارکیز نے بیان کیا ہے کہ "روحانیت بہ مکانِ کار / سماجی روحانیت" متعدد تنظیمی فوائد کی حامل ہے کہ اس نے لوگوں کے درمیان اعتماد و باہمی ربط اور حوصلہ افزا ادارہ جاتی کلچر کے فروغ کے ذریعے تنظیمی کارکردگی کو مکمل طور بڑھانے میں مدد کی ہے۔

Cavanagh اور Bandsuch کے مطابق سماجی روحانیت ملازمین کی حوصلہ افزائی، دیانتداری، پیشہ ورانہ کارکردگی اور پیشہ ورانہ طمانیت کے فروغ کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا ہے-[6] محققین کا یہ خیال ہے کہ روحانیت (Spirituality) کام کے اعتبار سے ایک پر فکر (Thoughtful) طریقہ سمجھا جاتا ہے جس کے ذریعے آدمی کائنات میں احکاماتِ خداوندی پر عمل کر سکتا ہے-[7] تحقیق سے یہ بھی واضح ہوا ہے کہ جو ادارے اپنے ملازمین کو روحانی ترقی کے مواقع فراہم کرتے ہیں ان کی کارکردگی دیگر اداروں کی نسبت بہتر ہے جہاں افراد کی روحانی ترقی کی طرف توجہ نہیں دی جاتی ہے۔

"مکانِ کار پہ سماجی روحانیت" کا مختصر تعارف یہ ہے کہ کسی بھی مکانِ کار (Workplace) (جیسے کہ صنعتی، تجارتی، دفاعی، سماجی، تعلیمی ادارے و دیگر دفاتر وغیرہ) پر پیشہ ورانہ خدمات سرانجام دینے کیلئے آپ کو روحانی اخلاقیات کا سہارا لینا پڑتا ہے تاکہ دفاتر کی مجموعی کارکردگی میں بہتری اور رفقائے کار کی روحانی ترقی کا ماحول پیدا کیا جاسکے۔

افراد اور اداروں کے لیے سماجی روحانیت یہ ہے کہ وہ اپنے کام کو ایک روحانی ذریعے کے طور پر لیں اور اسے ایک ایسا موقعہ سمجھیں جس کے ذریعے معاشرے کی ترقی میں ایک بامعنی طریقے سے کردار ادا کیا جائے-یہ اپنے اور دوسروں کے حقوق کی حفاظت، باہمی رواداری اور ایک دوسرے کی مدد کرنے سے تعلق رکھتا ہے کہ لوگوں کی یکجہتی اوران کا خود سے اور دوسروں سے مخلص ہونا ہے جس کا مطلب ہے کہ افراد اور ادارے اپنی اقدار کو زیادہ اچھی طرح اپنے کام کے ذریعے سے اپنانے کی کوشش کریں-[8]

[5] https://www.researchgate.net/publication/267634083_The_potential_of_spiritual_leadership_in_workplace_spirituality#:~:text=Workplace%20spirituality%20has%20potential%20for,integrity%2C%20values%20and%20ethical%20practice.
[6] https://www.muslim-perspectives.com/Publication-Detail?publication=24/Role-of-Workplace-Spirituality-in-Achieving-the-High-Job-Performance-and-Job-Satisfaction:-Employees-of-Social-Welfare-Organizations-of-Pakistan
[7] https://www.tandfonline.com/doi/full/10.1080/23311975.2016.1189808
[8] https://www.academia.edu/29088597/Annotated_List_of_Workplace_Spirituality_Organizations

سماجی روحانیت اور سیرت النبی (ﷺ) سے رہنمائی:

حضور نبی کریم (ﷺ) دین و عقیدہ، نزولِ وحی و مہبطِ وحی ہونے کے لحاظ سے بھی خاتم النبیین ہیں اور اور سیرت و تعلیمات، اخلاق و کردار کے اعتبار سے بھی خاتم النبیین ہیں[9] اللہ رب العزت نے آپ (ﷺ) کی ذاتِ گرامی کو بنی نوع انسان کیلئے اسوہِ کامل بنایا ہے-

قرآن مجید میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے"-

چونکہ آپ (ﷺ) کی نبوت و ریاست کا دائرہ کار لامحدود ہے اس لئے حیاتِ انسانی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس پر سیرتِ النبی (ﷺ) سے کامل رہنمائی نصیب نہ ہوتی ہو-دورِ جدید کے مسلم و غیر مسلم معاشرے حسنِ معاشرت اور مثالی سماج کے قیام میں درپیش مسائل اور رکاوٹوں کے مستقل خاتمے اور اپنے سیاسی، سماجی اور معاشی و معاشرتی معاملات میں آپ (ﷺ) کی سیرت طیبہ سے رہنمائی کو فلاح و نجات اور ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں-

یہ بھی حقیقت ہے کہ جدید دنیا کی تحقیق و فکر اپنے ارتقائی مراحل طے کر کے جب کسی نئے نظریے، تھیوری یا دریافت کو پہنچتی ہے تو اس کیلئے رہنمائی پہلے سے ہی سیرت النبی (ﷺ) میں بطریق احسن موجود ہوتی ہے-بقول مظفر وارثی:

جب جھکائی نظر، جھک گیا میرا سر
نقشِ پا اُس کا ہر موڑ پر مل گیا

مثلاً موضوعِ بحث مکانِ کار پہ سماجی روحانیت جسے دنیا آج اپنی کارکردگی میں بہتری اور ترقی کیلئے مؤثر سمجھتی ہے 14 سو سال قبل حضور نبی کریم (ﷺ) نے پریکٹیکل اور قابلِ عمل مثالیں عطا فرمادیں تھیں-

جہاں تک سیرت النبی (ﷺ) اور سماجی روحانیت / مکانِ کار پہ روحانیت کا تعلق ہے تو سیرت النبی (ﷺ) کے بے شمار پہلو ایسے ہیں جن کا عمیق نظری سے مطالعہ کیا جائے تو پیشہ ورانہ اخلاقیات (Work ethics) اور روحانی اخلاقیات بہ مکانِ کار (workplace spirituality) کے حوالے سے صریحاً رہنمائی ملتی ہے- آپ (ﷺ) کی سیرتِ مبارکہ انسانیت کیلئے اخلاقی و روحانی اقدار اور اصولوں میں رہنمائی کا سب سے عظیم ادارہ ہے کیونکہ آپ (ﷺ) کا ہر عمل مبارک اور ہر لمحہ روحانیت سے لبریز اور ظاہری و باطنی خُلق کا درس ہے - آپ (ﷺ) نے تمام شعبہ ہائے زندگی میں مکانِ کار (Workplace) پر اخلاقیات اور روحانیت کو اس طرح باہم مربوط کر دیا ہے کہ عام آدمی آسانی سے اس کی تفہیم حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ تاجدارِ انبیاء (ﷺ) کے روحانی فیض کا طالبِ صادق ہو-ذیل میں مکانِ کار پہ سماجی روحانیت کیلئے سیرت النبی (ﷺ) کی روشنی میں چند گوشوں پر اجمالاً بحث کی گئی ہے-

مکانِ کار اور سماجی روحانیت کی حامل قیادت:

لیڈر کسی بھی ادارہ میں "ورک کلچر اور مینجمنٹ" کی مضبوطی و پائیداری میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے اور لیڈر کا کردار ادارہ کی مجموعی کامیابی اور ناکامی کا تعین کرتا ہے-اسی لیے کسی ادارہ میں لیڈر کی سماجی روحانیت میں اچھی استطاعت و تربیت اور بیداری و مضبوطی تنظیمی کلچر اور مقاصد و اہداف کی مؤثریت و کامیابی کی علامت ہوتی ہے-اس کے برعکس اگر قیادت کا مطمعِ نظر روحانیت کی بجائے محض مادیت تک محدود ہو گا تو اس کا ادارہ ترقی کی بجائے تنزلی کی طرف گامزن ہو گا-

جدید تنظیم / ادارہ کی قیادت کیسی ہونی چاہیے؟ اور قائد کے اوصاف کیا ہونے چاہئیں؟

حضور نبی کریم (ﷺ) سے بڑھ کر اس کی مثال صفحہ ہستی پہ ملنا صرف محال ہی نہیں ناممکن بھی ہے-

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس دور میں "ورک پلیس" پر لیڈر کی اب وہ تعریف کارگر نہیں رہی کہ لیڈر صرف وہ ہے

[9] پیغمبر اعظم (ﷺ) کا خلق عظیم، ڈاکٹر حبیب الرحمٰن، اکتوبر 2020، ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

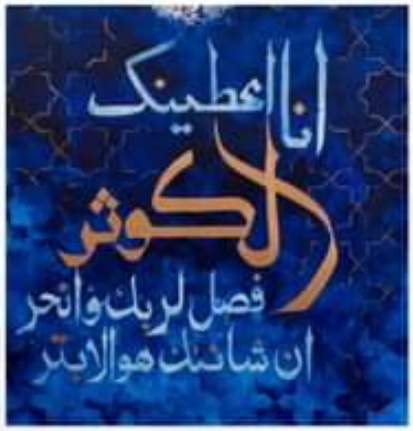

جو کسی تنظیم یا ادارے کو ذیلی یا مرکزی سطح پر لیڈ کرتا ہے بلکہ لیڈر کوئی بھی ایسا شخص ہو سکتا ہے جو دوسروں کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور یہ آپ (ﷺ) کی اولین و اعلیٰ ترین صفت مبارک ہے کہ آپ (ﷺ) نے لوگوں کو نہ صرف عملی طور پر متاثر کیا بلکہ آپ نے دنیا کے سامنے خود کو ایک بہترین قابلِ اطاعت (حقیقتاً واجب الاطاعت) مثال کے طور پر پیش فرمایا- الغرض آپ (ﷺ) کی ذاتِ گرامی ظاہر و باطنی اعتبار سے ان تمام اوصاف و کمالات اور خصال و شمائل کا منبع اور ان تمام عناصر میں درجۂ کمال پر فائز تھی جو کسی ورک پلیس اور لیڈر کیلئے لازمی سمجھے جاتے ہیں-

لیڈر شپ کے یہی اوصاف حضور نبی کریم (ﷺ) نے اپنے معاونین و رفقاء (صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم)) میں پیدا فرمائے اور انہیں پیشہ ورانہ آداب اور روحانی اخلاقیات کا وہ معیار عطا فرمایا کہ ان کی زندگی کا ہر پہلو مجموعی طور پہ روحانیت اور خاص کر سماجی روحانیت کی عملی تصویر بن گیا- آپ (ﷺ) کے ہر میدان میں تیار کردہ ان روحانی کارکنان (صحابہ کرامؓ) نے نہ صرف مختلف ریاستوں / محکموں / اداروں کی قیادت کی بلکہ کئی براعظموں پر شاندار حکمرانی توسیع تہذیب کی جو مثالیں رقم کیں وہ تاریخ کے ان مٹ نقوش ہیں- خلافتِ راشدہ کا عہد اس کی بہترین مثال ہے-

اگر آج ہم رسول اکرم (ﷺ) اور آپ (ﷺ) کی تیار کردہ قیادت میں قیادت کے اوصاف اور قیادت کے رہنما اصولوں کو جانیں اور ان پر عمل کریں تو وہ اپنی مؤثریت کے اعتبار سے جدید قیادت اور "مینجمنٹ" اصولوں سے بدرجہ ہا بہتر ہیں جو انسانیت کو راہِ مبین فراہم کرتے ہیں- ذیل میں مکانِ کار اور سماجی روحانیت کے چند اہم عناصر اور سیرت النبی (ﷺ) کے درمیان باہمی تعلق کو بیان کیا گیا ہے-

اعلیٰ اخلاقیات:

اخلاق، روحانیت (Spirituality) کی بنیادی اقدار میں شمار ہوتے ہیں اور یہ ایک ایسا پہلو ہے جو ورک پلیس پر روحانی نشوونما اور روحانی الذہن افراد پیدا کرنے میں اجزائے ترکیبی کی حیثیت رکھتا ہے- آقا کریم (ﷺ) تمام اخلاق حسنہ و عالیہ کا مرقع تھے- آپ (ﷺ) نے معاملات و معمولاتِ زندگی میں اخلاق کی لازوال مثالیں قائم فرمائی ہیں- عبد المصطفٰے اعظمی اخلاقِ نبوی (ﷺ) بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضور نبی کریم (ﷺ) محاسن اخلاق کے تمام گوشوں کے جامع تھے- یعنی حلم و عفو، رحم و کرم، عدل و انصاف، جود و سخا، ایثار و قربانی، مہمان نوازی، عدم تشدد، شجاعت، ایفائے عہد، حسن معاملہ، صبر و قناعت، نرم گفتاری، خوش روئی، ملنساری، مساوات، غمخواری، سادگی و بے تکلفی، تواضع و انکساری، حیاداری کی اتنی بلند منزلوں پر آپ (ﷺ) فائز و سرفراز ہیں کہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے ایک جملے میں اس کی صحیح ترین تصویر کھینچتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "کان خلقه القرآن" یعنی تعلیماتِ قرآن پر پورا پورا عمل آپ (ﷺ) کے اخلاق تھے"-[10]

باطنی حیات (Inner Life):

سماجی روحانیت تب موجود ہوتی ہے جب رفقائے کار کو اپنے کام کے دوران روحانی بالیدگی اور نشوونما میسر ہو-

پرتگالی اسکالر پروفیسر عیزابیل البوکوکی کے مطابق:

> *"Inner life means that employees have spiritual needs at work besides cognitive, emotional, and physical needs"[11].*

"باطنی زندگی کا مطلب یہ ہے کہ ملازمین کام میں دماغی، جذباتی اور جسمانی ضروریات کی بجائے روحانی ضروریات کے حامل ہوتے ہیں"-

باطنی زندگی اخلاق پہ بنیاد رکھنے والے روحانی و مثالی معاشرے کی بنیاد سمجھی جاتی ہے جس کا تعلق فرد کے تزکیۂ نفس و پاکیٔ قلب سے ہے- قرآن مجید نے تزکیہ کے حامل

[10](عبدالمصطفیٰ اعظمی، سیرتِ مصطفیٰ (ﷺ)، اٹھارواں باب: اخلاقِ نبوت، ص:600)

[11] https://journals.sagepub.com/doi/full/10.1177/2278682120908554

شخص کو فلاح یافتہ قرار دیا ہے اور بعثتِ نبوی (ﷺ) کے مقاصدِ اولیٰ میں سے ایک عظیم مقصد اُمت کا تزکیہ و تصفیہ فرمانا بھی ہے- صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) وہ اولین ارواحِ مبارکہ ہیں جن کی حضور نبی کریم (ﷺ) نے تزکیہ کے ذریعے روحانی آبیاری فرمائی تاکہ وہ ہر کام میں روحانی اطمینان محسوس کریں-

امام فخر الدین الرازیؒ ”تفسیر کبیر“ (البقرہ:151) میں ”یُزَکِّیۡھِمۡ“ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یُزَکِّیۡھِمۡ“ کا مطلب ہے کہ آقا پاک (ﷺ) اپنے غلاموں کی اصلاح فرماتے ہیں یعنی ان کو آپ (ﷺ) ایسی چیزوں کی پیروی کی طرف بلاتے ہیں جو تزکیہ کی طرف لے جاتی ہیں“-

احتماعی احساس(Sense of Community):

عیزائیل البوکوکی کے مطابق:

"Feeling of belongingness to a community is part of what increases the spirituality at work.[12]"

”کمیونٹی سے تعلق کا احساس ایک ایسا حصہ ہے جو کام میں روحانیت کو فروغ دیتا ہے“-

ڈینیس ڈوچن اور ڈونڈپی اشماس کے مطابق:

"Living in connection to other human beings is part of being alive.[13]"

”لوگوں کے ساتھ تعلق اختیار کرتے ہوئے رہنا ہی زندگی ہے“-

بالفاظِ دیگر یہ بات ’مقدمہ ابنِ خلدون‘ میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

”انسان کی فطرت میں اجتماعیت پنہاں ہے-یہی مطلب ہے فلسفیوں کے اس قول کا کہ انسان مدنی الطبع ہے“-

اجتماعیت کا یہ فلسفہ قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور سیرت النبی (ﷺ) میں سماجی غایت اولیٰ کے طور پر بیان ہوا ہے- قرآن مجید میں متعدد بار ”الناس“ کا لفظ کسی فردِ واحد کی بجائے کمیونٹی، سماج اور پوری انسانیت کی عکاسی کرتا ہے-اسلامی روحانیت کا مقصد بھی یہی کہ رہبانیت کو ترک کر کے خود کو عمرانیت (سماج) کے ساتھ جوڑا جائے- کیونکہ انسان معاشرے میں بسنے والے دیگر افراد سے بے نیاز اور تن تنہا زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور کسی بھی ”ورک پلیس“ پر اجتماعی احساس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مقاصد اس طرح تشکیل دے جس سے اجتماع اور کمیونٹی زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکے-یعنی مکانِ کار/ورک پلیس آقا پاک (ﷺ) کے فرمان ”خیر الناس من ینفع الناس“ کہ ”بہترین انسان وہ ہے جس سے لوگوں کا بھلا ہو“ کا عملی اظہار ہو- حضور نبی کریم (ﷺ) کی سماجی زندگی اجتماعی احساس (Sense of Community) کیلئے روشن مثال ہے- آپ (ﷺ) نے امیر غریب، ادنی و اعلیٰ، اپنوں اور غیروں، یتیموں، بیواؤں، مظلوموں حتٰی کہ معاشرے کہ ہر بے یارو مددگار فرد کو اپنے دامنِ رحمت و شفقت میں جگہ دے کر ہمیشہ کے لئے اجتماعی احساس کی راہیں متعین فرمادیں اور یہی راہ خلفائے راشدین کے طرز قیادت سے واضح ہوتی ہے-

کام کے لئے جذب و ترغیب:

اسلامی تعلیمات بالخصوص سیرت مبارکہ میں کام کی اہمیت اور مقاصد پر بڑا زور دیا گیا ہے- حضور نبی کریم (ﷺ) کے کسی بھی عمل مبارک کی سب سے بڑی ترغیب (موٹیویشن) رضائے الٰہی تھی جسے آپ (ﷺ) نے اپنی زندگی کے ہر پہلو میں بدرجہ کمال اختیار فرمایا اور یہی نکتہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو بتلایا کہ ہر کام رضائے الٰہی و قربِ الٰہی کیلئے سرانجام دیا جائے جو روحانیت کی اساس ہے-

مل جُل کے کام کرنا(ٹیم ورک):

جدید ادارہ اور تنظیم میں ”ٹیم ورک“ کو صحیح طور پہ منظم رکھنا ہی قیادت کے چند بڑے امتحانوں میں سے ایک ہے اور کسی بھی ورک پلیس پر ٹیم ورک بنیادی اخلاقی حیثیت رکھتا ہے جو اس جگہ کے مقاصد کے حصول اور ادارہ کی کامیابی کی

[12]https://www.researchgate.net/publication/340278335_Workplace_Spirituality_A_Comparative_Study_of_Various_Models

[13]https://www.researchgate.net/publication/340278335_Workplace_Spirituality_A_Comparative_Study_of_Various_Models

ضمانت ہوتا ہے- ٹیم ورک تب ہی ممکن ہے (ڈاکٹر گلورے کی ورک سپر چوئیلٹی کی تعریف کے مطابق) "جب افراد کے درمیان باہمی ربط اور وحدت موجود ہو گی"-

حضور نبی اکرم (ﷺ) ہمیشہ کام میں اپنے خادمین کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے- مسجد نبوی (ﷺ) کی تعمیر اور غزوہ خندق کے دوران حضور نبی کریم (ﷺ) کا خادمین کے ساتھ مل کر کام کرنا "ٹیم ورک" کی بہترین مثالیں ہیں-

سماجی روحانیت کیلئے نماز کا باقاعدہ اہتمام:

تعلیماتِ اسلام اور بالخصوص سیرت طیبہ میں مکانِ کار پہ روحانی ماحول کے فروغ کی ایک بہت بڑی مثال نماز ہے جس کی اہمیت و فضیلت قرآن مجید، احایث مبارکہ اور سیرتِ رسول (ﷺ) سے بالکل عیاں ہے کیونکہ نماز سے نہ صرف جسمانی و روحانی اطمینان و سکون نصیب ہوتا ہے بلکہ معاملات و کاروبار میں برکت اور دفتر / مکانِ کار کے ماحول میں روحانیت کی فضا پیدا ہوتی ہے- صوفیائے کرام نے بھی نماز اور اس کے روحانی فوائد و ثمرات بیان کیے اور اسے محض روحانی سے زیادہ سماجی روحانی عمل قرار دیا ہے- باجماعت نماز کی حکمتوں میں غور کیا جائے تو سماجی نظم وضبط کی تربیت کا اس سے بہتر کوئی ادارہ نہیں ملے گا- سیرت طیبہ سے نماز کی اہمیت کا اندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے کہ:

"سید عالم (ﷺ) اتنی نمازیں پڑھتے تھے کہ آپ (ﷺ) کے قدم مبارک ورم کر جاتے تھے- آپ (ﷺ) سے کہا گیا کہ آپ کیوں ایسی تکلیف کرتے ہیں تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ کیا میں اپنے خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں"-[14]

حضور نبی اکرم (ﷺ) نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو سب سے پہلے مسجد قباء کی بنیاد رکھی- مساجد کی تعمیر پر آپ (ﷺ) کے کثرت سے فرامین مبارکہ ہیں-

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ آقا کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کو شہروں کی پسندیدہ ترین جگہ مساجد ہیں اور ناپسندیدہ ترین جگہ بازار ہیں"-[15]

مذکورہ بیان میں نماز کی پابندی اور تلقین سے عیاں ہے کہ کام میں لگاؤ اور ذہنی و روحانی سکون کیلئے نماز جیسی عبادت کس قدر پسندیدہ عمل ہے-

ویسے بھی رفقائے کار کیلئے روحانی تفکر و روحانی تربیت کا علیحدہ وقت ترتیب دینا اور ان کی عبادات کیلئے مناسب انتظام کرنا 'ورٹیکل آرگنائزیشنل سپر چوئیلٹی' میں باقاعدہ شامل ہے-[16]

ورک پلیس سپر چوئیلٹی اور مراقبہ (Meditation) کا عمل:

دنیا میں روحانی تفکر (میڈیٹیشن) اختیار کرنے کو بہت زیادہ فروغ ملا ہے- حتیٰ کہ کسی بھی مذہب میں یقین نہ رکھنے والے لوگ بھی روحانی تفکر کی افادیت کو تسلیم کرتے ہیں- میڈیٹیشن کا بنیادی مقصد 'مائنڈفل نیس'، اطمینان کا حصول، غصے پر قابو پانا، اپنے اندر ہم آہنگی پیدا کرنا اور فطرت کے ساتھ تعلق مضبوط کرنا شامل ہیں- روحانی تفکر کا اسلامی تصور خود شناسی، فرد کے روحانی سکون و روحانی ترقی، تنظیمی قیادت اور اعلیٰ مقاصدِ حیات کے لئے بھی اختیار کیا جاتا ہے-

قرآن مجید میں روحانی تفکر (Meditation) کے متعلق یوں بیان فرمایا گیا ہے:

"وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيفَةً وَّ دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ"[17]

"اور اپنے رب کا ذکر اپنے سانسوں کے ساتھ گڑگڑا کر خفیہ طریقے سے بغیر آواز نکالے صبح و شام ذکر کرو اور غافلین میں سے مت بنو"-

[14] قاضی عیاض مالکی اندلسی رحمۃ اللہ علیہ، کتاب الشفا، بتعریف حقوق المصطفےٰ (ﷺ)
[15] https://www.minhajbooks.com/urdu/book/Arba-in-Fazilat-e-Masajid/read/txt/btid/2908/
[16] https://www.academia.edu/29088597/Annotated_List_of_Workplace_Spirituality_Organizations
[17] الاعراف:205

روحانی تفکر / مراقبہ یا جسے خلوت گزینی بھی کہا جاتا ہے یہ حضور نبی اکرم (ﷺ) کی سنت مبارکہ بھی ہے- آپ (ﷺ) اعلانِ نبوت سے قبل غارِ حرا میں کئی ایام تک جاکر قیام کرتے اور خلوت فرمایا کرتے تھے - رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف اختیار کرنا بھی خلوت و مراقبہ ہی کی ایک نوع ہے-

De Vicq کے سروے سے حاصل شدہ ڈیٹا سے پتہ چلتا ہے کہ تسلسل کے ساتھ کی جانے والی میڈیٹیشن (مثلاً صوفی میڈیٹیشن) کارکنوں کی جسمانی و ذہنی صحت پہ بہت اچھا اثر ڈالتی ہے-[18] اس سے پتہ چلتا ہے کہ روحانی تفکر و مراقبہ کی مدد سے مکانِ کار / دفاتر میں روحانی و اخلاقی ماحول پیدا کیا جا سکتا ہے ؛اور یہ جدید ادارہ / تنظیم میں کام کرنے والے ملازمین کیلئے کام میں یکسوئی کا بہترین ذریعہ ہے-

چونکہ مکانِ کار پہ سماجی روحانیت ایک وسیع تصور ہے جس کی کوئی مخصوص تعریف نہیں کی گئی - لہٰذا صرف ان چند اہم جزویات پر فوکس کیا گیا ہے جو سیرت النبی (ﷺ) کی روشنی میں براہِ راست فرد کے روحانی شعور، اطمینان برائے کام اور ادارہ / تنظیم کی اعلیٰ کارکردگی اور پیشہ ورانہ اطمینان و سکون سے وابستہ ہیں اور کسی بھی مکانِ کار میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں-

حاصلِ کلام:

سیرت النبی (ﷺ) کا کوئی بھی پہلو اٹھالیں اس میں انسانیت کیلئے ہر زمانے میں رہنمائی اور ہدایت کا پورا نصاب موجود ہے جس کے ذریعے انسان تمام شعبہ ہائے زندگی میں ظاہر و باطنی طور پر ترقی کی منازل طے کر سکتا ہے - قرآن مجید نے متعدد مقامات پر سیرت النبی (ﷺ) کی تعلیمات کو اپنانے کی تاکید کی ہے تاکہ مسلم معاشروں میں سیرت النبی (ﷺ) کی عملی جھلک نظر آئے- اگر ہم بطورِ اجتماعی سیرت النبی (ﷺ) کی تعلیمات کو نہیں اپناتے تو زوبہ زوال معاشرے کو تباہی سے نہیں بچایا جا سکتا- مسلم ممالک میں تنظیمی و ادارہ جاتی سطح پر لوگوں کو ایسے کورسز پڑھائے جا سکتے ہیں جو براہ راست پیشہ ورانہ سرگرمیوں فرد کی روحانی پاکیزگی سے جڑے ہیں کیونکہ عصر حاضر میں روحانی تنظیم (Spiritual Organization) اور اسلامک ورک پلیس کلچر کے احیاء کیلئے ورک پلیس سپرچوئیلٹی کا قیام جزوِ لازم کی حیثیت رکھتا ہے جس کیلئے سیرت النبی (ﷺ) سے استفادہ وقت کا تقاضا ہے- بقول حکیم الاُمت علامہ اقبالؒ (سیرت النبی (ﷺ) کے تناظر میں) انسانیت کو آج تین چیزوں کی ضرورت ہے:

1. کائنات کی روحانی تعبیر
2. فرد کا روحانی استخلاص
3. ایسے عالمگیر نوعیت کے بنیادی اُصول جو روحانی بنیادوں پر انسانی سماج کی نشوونما میں رہنما ہوں-

فرانسیسی تھیالوجن اور فلسفی (Pierre Teilhard de Chardin) کا مشہور مقولہ ہے کہ:

"We are spiritual beings having a human experience[19]".

"ہم انسانی تجربہ رکھنے والی روحانی مخلوق ہیں"-

روحانیت انسانی وجود کا ایک وراثتی جزو ہے جو حیاتِ انسانی کے ہر پہلو سے جڑا ہے لیکن اس کا بہترین حصول دامنِ مصطفےٰ (ﷺ) سے روحانی و باطنی وابستگی اختیار کیے بغیر ناممکن ہے- اس لیے بطور مسلمان ہر میدان میں کامیابی و کامرانی کے حصول کیلئے ہمیں سیرت النبی (ﷺ) کو اپنی اخلاقی و روحانی زندگی کا عملی حصہ بنانا چاہیے-

(نوٹ: ابتدائیہ میں لٹریچر ریویو کیلئے اور بعد ازاں مکانِ کار پہ سماجی روحانیت اور سیرت پاک کے باہمی تعلق کی تفہیم کیلئے دانستہ طور پہ کلاسیکل لٹریچر کی بجائے جدید لٹریچر کو اختیار کیا گیا ہے، تاکہ جدید سماج اور جدید ادارہ جاتی تشکیل و تنظیم کے قریب تر رہ کے سیرت پاک سے استفادہ کیا جا سکے)-

☆☆☆

[18] https://www.proquest.com/openview/6c37733c64638f62a2cdd6dcee2af1b5/1?pq-origsite=gscholar&cbl=18750

[19] https://img1.wsimg.com/blobby/go/c492eb85-9529-4eb9-bbe4-4154277bb917/downloads/Spirituality%20in%20the%20Workplace.pdf?ver=1625578167098

سوشل میڈیا کے فرد کی اخلاقی قوت اور صلاحیتوں پر مضر اثرات: سیرت طیبہ کی روشنی میں ان کا حل

ڈاکٹر حافظ فیض رسول
(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور)

انسان حیوانِ ناطق ہے اور اسے اپنی خواہش، اپنی ضرورت اور اپنا مدعا دوسروں تک پہنچانا پڑتا ہے- خواہش کے اظہار کے عمل کو ' ابلاغ ' کہتے ہیں- قدرت کی طرف سے ابلاغ کیلئے انسان کو جو ذرائع مہیا کئے گئے ہیں- ان میں سب سے مؤثر ابلاغی ذریعہ زبان ہے، جس کے توسط سے ہم قریب کے لوگوں تک اپنی بات پہنچا سکتے ہیں- جبکہ ابلاغ کا دوسرا موثر اور محفوظ ترین ذریعہ قلم ہے- ہم تحریر کے ذریعے اپنا نکتہ فکر، اپنے خیالات سے وابستہ کوئی بھی بات لکھ سکتے ہیں اور اسے کسی بھی ذریعہ سے دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں- ابلاغ کے یہ دو ذرائع شروع سے استعمال ہوتے رہے ہیں- قرآنِ حکیم میں انبیاء (علیہم السلام) کی دعوت و تبلیغ کا ذکر بکثرت آیا ہے، وہ قوم کو اپنی بات سمجھانے کے لئے زبانی تخاطب کا طریقہ استعمال کیا کرتے تھے- ابلاغ و تبلیغ کے سلسلے میں رسول کریم (ﷺ) کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد عالی شان ہے:

"يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ"[1]

"اے رسول (ﷺ) جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجئے"-

اسی طرح بلاغ کا دوسرا مؤثر و موزوں طریقہ یعنی بذریعہ تحریر، دور تک اپنی بات پہنچانے کی مثالیں بھی قرآنِ حکیم میں موجود ہیں- جیسا کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے ملکہ سبا بلقیس کو خط ہی کے ذریعہ اپنا پیغام پہنچایا تھا اور ایک پرندے نے نامہ بر کا فریضہ انجام دیا تھا- ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ اذْهَبْ بِكِتَابِي هَذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ"[2]

"سلیمان (علیہ السلام) کہا عنقریب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا، یا تو جھوٹوں سے تھا- میرا یہ خط لے جا، پس اسے ان کی طرف پھینک دے، پھر ان سے لوٹ آ، پس دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں"-

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان نے جو بے پناہ ترقی کے مدارج طے کئے ہیں ان میں انسان کے ابلاغی طریقہ کار میں بھی خوب ترقی ہوئی ہے اور انسان نے اپنی عصری ضرورتوں کے پیشِ نظر اپنی ابلاغی حکمتِ عملیوں میں نئے نئے طریقہ کار وضع کئے ہیں- مزید برآں یہ ترقی کی منازل زندگی کے دوسرے شعبوں میں جاری رہنے کے ساتھ ساتھ، اسی طرح ذرائع ابلاغ کے میدان میں بھی پوری قوت اور تیز گامی کے ساتھ جاری و ساری ہیں- بلکہ ابلاغ کے میدان میں ترقی دوسرے شعبہ ہائے زندگی کے مقابلہ میں زیادہ مؤثر اور تیز ہے- گزشتہ چند دہائیوں میں "ابلاغ" کے کئی ذرائع وجود میں آئے ہیں، لیکن ان سب میں زیادہ برق رفتار، فعال اور مؤثر ابلاغی ذریعہ سوشل میڈیا "Social Media" ہے-

[1] (المائدہ:67)
[2] (النمل:27-28)

اس کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ اس میں خاصا تنوع ہے اور اس پر اب تک حکومت یا کسی خاص گروہ کی اجارہ داری بھی نہیں ہے- سوشل میڈیا کے ابلاغی ذرائع میں اب تک جو شامل ہیں ان میں واٹس ایپ(WhatsApp)، فیس بک (Facebook)، یوٹیوب(YouTube)، ٹیوٹر(Twitter)، اسکائپ (Skype)، زوم (Zoom)، انسٹا گرام (Instagram)، ٹیلی گرام(Telegram)، ٹک ٹاک (Tiktok)، مسینجر (Messenger)، لنکڈ اِن (LinkedIn)، سنیپ چیٹ (Snapchat)، وغیرہ زیادہ فعال اور متحرک ہیں- لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا کے ذرائع میں مزید اضافہ ہوتا جارہا ہے- لیکن یہ ایک بہتا ہوا سمندر ہے، جس میں ہیرے اور موتی بھی ڈالے جاسکتے ہیں اور خس و خاشاک بھی، اس میں صاف شفاف پانی بھی اُنڈیلا جاسکتا ہے اور گندہ بدبودار فُضلہ بھی، اس سے دینی، اخلاقی اور تعلیمی نقطۂ نظر سے مفید چیزیں بھی پہنچائی جاسکتی ہیں اور انسانی و اخلاقی اقدار کو تباہ کرنے والی چیزیں بھی ڈالی جاسکتی ہیں-

دوسری طرف اس کا اثر ہر خاص و عام پر اتنا وسیع ہو چکا ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کا نفوذ اس درجہ کا ہے کہ اس کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا اور گزرنے والے ہر دن کے ساتھ اس کی اہمیت مزید بڑھتی جارہی ہے- لہٰذا ہمیں اس کے مثبت و منفی اثرات سے وابستہ تمام ممکنہ امور کو جاننا، ان کا خیال رکھنا اور انہیں دوسروں کو سکھانا اور سمجھانا از حد ضروری ہے- یہ ہمارا دینی، قومی و ملی فریضہ بھی ہے کہ ہم "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" کا پرچار کریں اور جو کچھ اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہ دوسروں کے لئے بھی پسند کریں-

جیسا کہ حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے مروی رسول کریم (ﷺ) کا ارشادِ مبارک ہے:

لا یؤمنُ أحدُکم حتی یحبَّ لأخیہ ما یحبُّ لنفسِہ۔ (متفق علیہ)

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے، جو اپنے لیے کرتا ہے"-

دنیا کے تمام امور میں خیر و شر کا پہلو چھپا ہوتا ہے- اب یہ ہماری استعداد پر منحصر ہے کہ ہم کون سا پہلو اختیار کرتے ہیں- ہم جو بھی پہلو اختیار کریں گے اس کے اثرات یقیناً دوسروں پر بھی مرتب ہوں گے- یعنی اگر کسی چیز کا استعمال صحیح اور جائز کاموں کیلئے کیا جائے جس سے دنیائے انسانیت فیض یاب ہوتی ہو تو ظاہر سی بات ہے کہ اس کے فیوض و برکات اور ثمرات بہت فائدے مند ہوں گے- یہی حال سوشل میڈیا کے استعمال کا بھی ہے- سوشل میڈیا ابلاغ کا ایک ایسا نیٹ ورک ہے جس کے بے پناہ فوائد ہیں لیکن اسی قدر اس کے نقصانات بھی ہیں، یعنی سوشل میڈیا کے تمام ذرائع دو دھاری تلوار کی صورت ہیں- اس کے فوائد و ثمرات اور نقصانات ہر سطح کے افراد کے لئے یکساں نوعیت کے ہیں-

سوشل میڈیا کے فرد پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ جسمانی، معاشرتی، اخلاقی، قومی، ملی اور دینی و مذہبی ہر نوعیت کے ہیں- اب یہ استفادہ کرنے والوں پر منحصر ہے کہ وہ اس سے کیسے مستفیض ہوتے ہیں؟ حالانکہ حالات و واقعات شاہد ہیں کہ سوشل میڈیا کا جائز استعمال کرنے والے بھی ناجائز چیزوں سے اپنی حفاظت نہیں کرپاتے- آج سوسائٹی کا کوئی بھی فرد چاہے وہ والدین ہوں، اولاد ہو، گھر کے بڑے بزرگ ہوں، استاد و شاگرد ہوں، غرض بچے، بوڑھے، جوان، مرد و

خواتین، کوئی ایک بھی سوشل میڈیا کے اثرات سے بالاتر نہیں ہے-اب سوشل میڈیا کے وہ کونسے اثرات ہیں جن سے نہ صرف ہمیں محفوظ رہنا ہے بلکہ اپنی نسلِ نو کو بھی بچانا ہے- آیئے ملاحظہ کرتے ہیں:

من گھڑت اور جھوٹی خبروں کی اشاعت:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کوئی بات بلا تحقیق کے اپنی زبان سے نہ نکالے- اگر وہ ایسا کرتا ہے تو پھر اس کی جواب دہی کے لیے تیار رہے-ارشادِ خداوندی ہے:

"وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا"[3]

"اور جس بات کی تحقیق نہ ہو اس پر عمل در آمد مت کیا کر، کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے اس سب کی پوچھ ہو گی"-

ایک حدیثِ پاک میں جن چار خصلتوں کو رسول اللہ (ﷺ) نے نفاق کی علامات قرار دیا ہے-ان میں ایک جھوٹ بولنا بھی ہے، لہٰذا جو شخص جھوٹ بولتا ہے، وہ خصلتِ نفاق سے متصف ہے-ارشادِ نبوی (ﷺ) ملاحظہ فرمایئے:

"أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ"[4]

"جس میں چار خصلتیں ہوں گی، وہ خالص منافق ہے اور جس شخص میں ان خصلتوں میں کوئی ایک خصلت پائی جائے، تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے، تا آں کہ وہ اسے چھوڑ دے: جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو دھوکہ دے اور جب لڑائی جھگڑا کرے تو گالم گلوچ کرے"-

صرف یہی نہیں کہ ایسا جھوٹ جس میں فساد و بگاڑ اور ایک آدمی پر اس جھوٹ سے ظلم ہو رہا ہو، وہی ممنوع ہے، بلکہ لطف اندوزی اور ہنسنے ہنسانے کے لیے بھی جھوٹ بولنا ممنوع ہے-اللہ کے رسول (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"وَيْلٌ لِّلَّذِيْ يُحَدِّثُ بِالْحَدِيْثِ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبُ، وَيْلٌ لَهٗ، وَيْلٌ لَهٗ"[5]

"وہ شخص برباد ہو جو ایسی بات بیان کرتا ہے، تاکہ اس سے لوگ ہنسیں، لہٰذا وہ جھوٹ تک بول جاتا ہے، ایسے شخص کیلئے بربادی ہو، ایسے شخص کیلئے بربادی ہو"-

جھوٹ ایک ایسی بیماری ہے جو معاشرہ میں بگاڑ پیدا کرتی ہے- لوگوں کے درمیان لڑائی، جھگڑے کا سبب بنتی ہے، دو آدمیوں کے درمیان عداوت و دشمنی کو پروان چڑھاتی ہے-اس سے آپس میں ناچاقی بڑھتی ہے-اگر ہم ایک صالح معاشرہ کا فرد بننا چاہتے ہیں، تو یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم لوگوں کو جھوٹ کے مفاسد سے آگاہ اور باخبر کریں، جھوٹے

لوگوں کی خبر پر اعتماد نہ کریں، کسی بھی بات کی تحقیق کے بغیر اس پر ردِ عمل نہ دیں- اگر ایک آدمی کوئی بات آپ سے نقل کرتا ہے تو اس سے اس بات کے ثبوت کا مطالبہ کریں- اگر وہ ثبوت پیش نہیں کر پاتا تو اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دیں کیونکہ جھوٹ اعتماد اور یقین کو ختم کرتا ہے-

تفکر و تدبر کی صلاحیت کا فقدان:

تمام الہامی کتابوں اور قرآنِ حکیم میں بالخصوص تفکر یا غور و فکر کو بہت اہمیت دی گئی ہے- جگہ جگہ انسان کو تفکر اور تدبر کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور اپنی تخلیق پر غور کرے- قرآنِ حکیم کا بنیادی موضوع "اِنسان"

[3] (الاسراء:36) [4] (صحیح بخاری، رقم الحدیث:34) [5] (سنن ترمذی، رقم الحدیث:2315)

ہے، جسے سینکڑوں بار اِس اَمر کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش میں وُقوع پذیر ہونے والے حالات و واقعات اور حوادثِ عالم سے باخبر رہنے کیلئے غور و فکر اور تدبر و تفکر سے کام لے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے عطا کردہ شعور اور قوتِ مشاہدہ کو بروئے کار لائے تاکہ کائنات کے مخفی و سربستہ راز اُس پر آشکار ہو سکیں- قرآنِ حکیم نے بندۂ مومن کی بنیادی صفات و شرائط کے ضمن میں جو اوصاف ذِکر کئے ہیں اُن میں آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں تفکر اور فلسفہ انتظامِ کائنات کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے- قرآنِ حکیم نے آئیڈیل مسلمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

"إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ"[6]

"بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب و روز کی گردش میں عقلِ سلیم والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں"-

غور و خوض اور تفکر و تدبر حکمِ خداوندی ہے کیونکہ تفکر کے بغیر سوچ کے دروازے نہیں کھلتے اور اگر یہ دروازے مقفّل رہیں تو تاریخ کا سفر گویا رک جاتا ہے اور ارتقائے نسلِ انسانی کی تاریخ اندھیروں میں گم ہو جاتی ہے- مسلمانوں نے اپنے سفر کی ابتدائی صدیوں میں تفکر و تدبر کے ذریعہ سائنسی علوم میں نہ صرف بیش بہا اِضافے کئے بلکہ انسان کو قرآنی احکامات کی روشنی میں تسخیرِ کائنات کی ترغیب بھی دی- چنانچہ اس دور میں بعض حیران کن اِیجادات بھی عمل میں آئیں اور سائنسی علوم کو ایسی ٹھوس بنیادیں فراہم ہوئیں جن پر آگے چل کر جدید سائنسی علوم کی بنیاد رکھی گئی ہے-

اپنوں سے دوری بے گانوں سے یاری:

یہ سوشل میڈیا کی کرشمہ سازی ہے کہ حقیقی رشتوں سے دوری بڑھتی جارہی ہے حالانکہ اسلام میں خونی رشتوں کو پامال کرنے سے سختی سے روکا گیا ہے- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا"[7]

"اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو- یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے"-

خاندان کے استحکام کیلئے ضروری ہے کہ رشتہ داروں کے حقوق ادا کیے جائیں اور ان سے گہرا ربط رکھا جائے- اسلامی معاشرہ میں رشتہ داروں کو عزت اور عظمت کا مقام دیا گیا ہے اور تفصیل سے ان کے حقوق بیان کیے گئے ہیں- ان حقوق میں حسن سلوک، مالی تعاون، عزت و احترام اور عفو و درگزر خصوصیت سے قابل ذکر ہیں- صلہ رحمی کو نیکی اور قطع رحمی کو جرم قرار دیا گیا ہے- رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک ان پر احسان نہیں ہے، بلکہ یہ فرض ہے، جس کی ادائیگی انسان پر لازم ہے- قرآن کریم کی بہت سی آیات میں رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور ان سے حقوق ادا کرنے پر ابھارا گیا ہے- اسلام نے صلہ رحمی کی بھرپور تلقین کی ہے- اسلام نے خاندان کے استحکام کیلئے قوانین اور اخلاقی تعلیمات دونوں سے مدد لی ہے- اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کی بار بار تاکید کی ہے- جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

"وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ"[8]

[6] (آل عمران:190) [7] (النساء:1) [8] (بنی اسرائیل:26)

"رشتہ دار کو اس کا حق دو"۔

قرآن میں رشتوں کا پاس ولحاظ رکھنے والوں کو "أُولُوا الأَلبَاب" (دانش مند) کہا گیا ہے- ان کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں ان میں یہ بھی ہے:

"وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ"[9]

"ان کی روش یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جن جن روابط کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں برقرار رکھتے ہیں، اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں ان سے بری طرح حساب نہ لیا جائے"۔

نفرت آمیز مواد کی تشہیر:

فساد فی الارض "نوع انسانی" کی سب سے بڑی بد نصیبی بلکہ کائنات کی ہر چیز کی سیاہ بختی کی بات ہے، کیونکہ تخریب اور تخریب کاری انسان کی سیاہ کاری کا نتیجہ ہوتی ہے اور بطور سزا اور قہر الٰہی کے پھلتی پھولتی اور پھیلتی ہے- ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ"[10]

"گو خدا کی زمین میں یہ بگاڑ اور خرابی ایک سزا اور قہر الٰہی ہے، لیکن اس سے غرض بندوں کی مکمل تباہی نہیں ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ مزہ چکھ کر شاید لوٹ آئیں اور سیدھی راہ پر پڑ جائیں"۔

اسی طرح جو لوگ حق کے انکاری یعنی منکرین حق ہوں ان کی دوستی بھی فساد فی الارض کے زمرے میں ہے- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ"[11]

"جو منکرین حق ہیں، وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں- اگر تم یوں نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ پھیلے گا اور بڑی خرابی ہو گی اور اس کے نتیجے میں عذاب پر عذاب کے امکانات بڑھ جاتے ہیں"۔

خود نمائی اور ریاکاری کا بڑھتا رجحان:

ریاکاری ایسا مذموم وصف ہے کہ اس کی وجہ سے مسلمان کا بڑے سے بڑا نیک عمل اللہ کے ہاں رائی کے دانے کی حیثیت نہیں رکھتا اور ریاکاری کے بغیر کیا ہوا چھوٹا عمل بھی اللہ کے ہاں پہاڑ کے برابر حیثیت رکھتا ہے- اللہ رب العزت نے ریاکاری کی مذمت مختلف آیات میں بیان فرمائی ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

"وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا"[12]

"جو لوگ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور جس کا ہم نشین اور ساتھی شیطان ہو، وہ بدترین ساتھی ہے"۔

ایک اور مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ"[13]

"اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو! جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کیلئے خرچ کرے اور نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر"۔

[9] (الرعد:21) [10] (الروم:21) [11] (التوبۃ:10) [12] (النساء:38) [13] (البقرہ:264)

ان آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ریاکار اپنے عمل سے یہ بات ثابت کرتا ہے کہ اللہ سے اس کو اجر کی توقع نہیں- کیونکہ جس سے توقع ہوگی اُسی کے لیے عمل کیا جائے گا اور ریاکار کو خالق کے بجائے مخلوق سے اجر کی توقع ہوتی ہے- اسی طرح اس کا آخرت پر بھی ایمان نہیں کہ اگر ایمان ہوتا تو ہرگز خالق کو چھوڑ کر مخلوق سے اجر کی توقع نہ رکھتا اور آخرت کی باز پرس سے ڈرتا- حضور نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا:

"جو شخص شہرت کے لیے کوئی عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب ظاہر کر دے گا اور جو دکھاوے کے لیے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے رسوا کر دے گا"-[14]

لغویات کا بڑھتا ہوا رجحان:

لغو ہر اس بات اور کام کو کہتے ہیں جو فضول، بیکار اور لاحاصل ہو- یعنی جن باتوں اور کاموں کا دنیا اور آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہو، نہ کوئی حقیقی ضرورت ہو اور نہ کوئی اچھا مقصد حاصل نہ ہو- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ"[15]

"اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں اور اسے ہنسی بنائیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے"-

"لھو الحدیث" سے مراد ہر وہ چیز جو انسان کو خیر اور معروف سے غافل کر دے اور انسان اسلامی احکامات کا خیال نہ رکھے اور ان سے دوری اختیار کرے- حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ایک حدیث پاک میں رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"انسان کے اسلام کی خوبی اس کا لایعنی (لغو) باتوں سے بچنا ہے"-[16]

اسی طرح آن لائن رشتے اور دوستیاں بنا کر حقیقی رشتے نظر انداز کیے جا رہے ہیں، نامحرموں سے گفتگو کے رجحانات بڑھ رہے ہیں حالانکہ اسلام نامحرم مردوں اور عورتوں کے اختلاط، میل ملاپ اور بات چیت کی ممانعت کرتا ہے، سماجی رابطوں کی ویب سائٹ پر روزانہ لاکھوں مرد اور عورتیں باہمی روابط کو بڑھاتے ہیں- معلومات کے سیلاب سے سوچنے کی صلاحیت مفقود ہوتی جا رہی ہے- اخلاقی مضر اثرات یہ بھی ہیں کہ چھوٹے بڑوں کا احترام نہیں کرتے- بزرگوں کے سامنے موبائل کی اسکرین سے نظریں نہیں ہٹاتے، سوشل میڈیا سے لوگوں میں نفرت، بدلہ، دشمنی، حسد اور جلن جیسے مضر اثرات پیدا ہو رہے ہیں جو کہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں- الغرض! ہمیں اپنے نوجوانوں کو اس کے مضر و منفی اثرات سے محفوظ رکھنے کے انہیں مستقل اسلام کے اخلاقی اصولوں سے روشناس کروانے کے لئے ایک مستقل لائحہ عمل کے طور پر تربیت دینے کی منظم کاوشیں کرنی ہونگی، اسی میں ہمارے مستقبل کی فلاح اور کامیابی ہے-

☆☆☆

[14] (بخاری) [15] (لقمان:6) [16] (سنن ترمذی)

تمدنی شعور کی بیداری اور سماجی ذمہ داریوں کا احساس

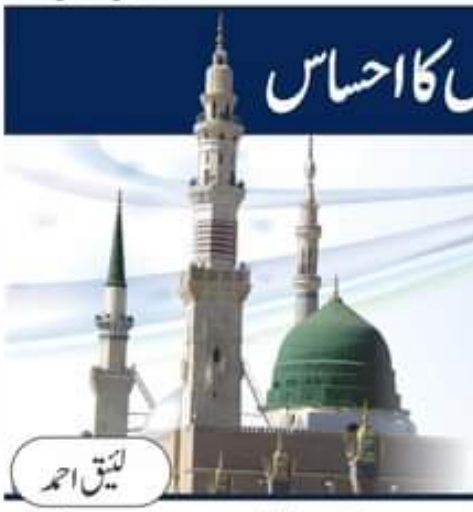

سیرت النبی ﷺ سے متعین کردہ اصولوں کی روشنی میں

لئیق احمد

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات میں مرکزیت عطا فرمائی ہے اور ہر چیز انسان کیلئے مسخر فرمادی ہے- ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا"[1]

"وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے"-

دنیا و مافیہا کی ہر شے انسان کے تابع کر دی گئی ہے اور انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا کردہ دانست سے صدیوں سے تسخیرِ کائنات کرتا آرہا ہے- جہاں یہ شعور اور ذہانت انسان کو ترقی کی معراج عطا کرتے ہیں وہیں رہنے، بسنے، ملنے، ملانے و دیگر معمولاتِ زندگی کیلئے تہذیب و تمدن بھی مہیا کرتے ہیں جس سے وہ زمین پہ امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے- انسان کو ضمیر اور فکر و دانش سے نواز کر قدرت نے اسے حق و باطل میں تمیز کرنے اور احساس رکھنے کی طاقت دی- سورہ الشمس میں ارشادِ ربانی ہے:

"فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا"[2]

"پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی- بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا"-

انسان فطرتاً تنہا رہنے کا عادی نہیں ہے وہ معاشرتی سطح پر زندگی گزارتا ہے- انسان پر معاشرے میں زندگی بسر کرنے کے لئے چند ذمہ داریاں اور فرائض وارد ہوتے ہیں- ان ذمہ داریوں اور فرائض کی عملداری اور احساس تمدنی شعور کہلاتا ہے- بطور مسلمان یہ ہمارا ایمان ہے کہ دینِ اسلام مکمل دین ہے اور حضور رسالت مآب (ﷺ) کی سیرتِ طیبہ ہمارے لئے زندگی کے تمام گوشوں میں رہنمائی کی مشعل ہے- تاریخ گواہ ہے کہ ہجرت کے بعد جب حضور رسالتِ مآب (ﷺ) نے ریاستِ مدینہ کی بنیاد رکھی تو معاشرے کی جانب فردِ واحد کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کا ایک ایسا عملی نصاب فراہم کیا جس پر عمل پیرا ہو کر مسلمانوں نے نہ صرف دنیا کا نقشہ تبدیل کیا بلکہ ان باسیوں کی زندگیاں بھی تبدیل کیں جو معاشرتی زندگی کے نام پر تاریک گھاٹیوں میں اپنی زندگی گزار رہے تھے- تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ خواہ بغداد ہو یا ہسپانیہ، قسطنطنیہ ہو یا برصغیر، پاک و ہند ہو یا دنیا کا کوئی اور خطہ، جہاں بھی سیرت النبی (ﷺ) سے متعین کردہ اصولوں کی روشنی میں معاشرے کی تشکیل دی گئی تو وہاں رنگ و نسل کا امتیاز نہ رہا، دولت کی بنا پر کسی کو تفخر حاصل نہ رہا، انصاف کا پلڑا ہمیشہ بھاری رہا، قانون سب کے لئے یکساں و برابر رہا، محبت و اخوت کی فضا قائم رہی- آپسی اختلافات کے باوجود بھی ریاستی سطح پر سب متفق و متحد رہے-

لفظ تمدن مدن سے مشتق ہے اور بالعموم تمدن کا معنی مدینہ یعنی شہر میں رہنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے- حضور رسالتِ مآب (ﷺ) کی سیرت طیبہ میں تمدن اور مہذب معاشرے کا جو تصور موجود ہے اس میں بھائی چارگی، آزادی، مساوات، سماجی انصاف، رواداری، مختلف تفاوت اور نظریات ہونے کے باوجود اتفاق، امن و امان، عدم تشدد، قانون کی پاسداری وغیرہ جیسے اصول موجود ہیں جن پر عمل پیرا ہونا نہایت ضروری ہے جبکہ غفلت پر سخت سزائیں بھی موجود ہیں- آج جس صدی میں ہم سانس لے رہے ہیں وہاں نفسا نفسی کا عالم ہے، مصائب و آلام کی کثرت ہے، دہشت گردی کی انتہا اور ستم بالائے ستم کہ دنیا کو امن و امن سے روشناس

[1] (البقرہ:29)
[2] (الشمس:8-9)

کرانے والے دین پر دہشت و وحشت کی تہمتیں روا رکھی جارہی ہیں- اس دور میں سیرتِ طیبہ سے ہر انسان انفرادی و اجتماعی سطح پر جن عوامل کو اپنا کر زندگی اجیرن ہونے سے بچا سکتا ہے- اسے ذیل میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے-

قانون کی پاسداری کی اہمیت:

تمدن اور تہذیب کا توازن ایک شہری کیلئے یہ واجب ٹھہراتا ہے کہ وہ قانون کا پاسدار اور پابند ہو- قانون کی بالادستی قائم رہے تاکہ معاشرہ امن کا معاشرہ رہے جہاں کسی کا حق نہ مارا جائے جہاں ظلم کے خلاف اقدامات ہوں اور سخت اقدامات ہوں تاکہ اگلوں کو عبرت حاصل ہو سکے- حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی سیرت طیبہ کا جائزہ لیں تو قانون کی عملداری آپ (ﷺ) نے نافذ فرمائی-

حجۃ الوداع میں اعلان کیا گیا کہ سب برابر ہیں، عجمی و عربی، کالے اور گورے برابر ہیں، امتیاز ہے تو تقویٰ پہ ہے- قانون بھی سب کے لئے برابر ہے- "سورۃ الانعام :52" اسی برابری کی ضمن میں اتری کہ جب قریش کے سردار نے مطالبہ کیا کہ ہم حضور رسالت مآب (ﷺ) سے بات چیت اس وقت کریں گے جب آپ کے اصحاب جو بظاہر کم دنیاوی منصب کے حامل ہیں آپ کے ساتھ نہ ہونگے- لیکن حضور نبی کریم (ﷺ) نے اللہ کے قانون کی بالادستی قائم رکھی اور مجلس میں وہ تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) بھی شامل رہے- معاشرتی امتیاز میں تولے گئے امیری اور غریبی کے اوزان کا سیرت النبی (ﷺ) کے گوشوں میں کوئی وقعت نہیں-

ایک طرف تو معاشرے میں زکوٰۃ، صدقات اور فطرہ و عطیات کا سلسلہ جاری کیا گیا تاکہ لوگوں کی ضروریات زندگی کو مکمل کیا جاسکے اور جو لوگ حلال کی بجائے حرام راستوں کی طرف گامزن ہوں، انہیں قانون کی گرفت میں رکھا جائے- آپ (ﷺ) نے 23 برس کی نبوی زندگی میں عملاً جو اصول وضع فرمائے ان میں سے چند یہ ہیں: چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا، شادی شدہ زانی کی سزا سنگساری جبکہ غیر شادی شدہ کی سزا کوڑے مارنا، بدکاری کی تہمت لگانے کی سزا قذف وغیرہ- صرف سمجھانے کے لئے ایک مثال بیان کی جارہی ہے- بنو مخزوم عرب کا نامور قبیلہ تھا جب اس قبیلے کی فاطمہ نامی ایک خاتون نے چوری کی اور اس کا جرم ثابت ہو گیا تو آپ (ﷺ) نے ہاتھ کاٹنے کی سزا سنائی- جب عزت و وقار کی بقا کیلئے قبیلے کے لوگوں نے سفارشات پہنچائیں تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ کاٹے جاتے-[3]

قانونی کاروائی ہی تہذیبی معاشرے کی پہچان ہے- تمام خلفائے راشدین نے بھی حضور نبی کریم (ﷺ) کی سیرت سے جو اصول وضع کئے انہیں مستحکم کیا- حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کا جب محاصرہ کیا گیا تو حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) آپ (ﷺ) کی بارگاہ میں تشریف لائے کہ یہ چند سو کو قتل کرنے میں کوئی دیر نہ لگے گی لیکن آپ (رضی اللہ عنہ) نے حضور نبی کریم (ﷺ) کی سیرت پر عمل کر کے دکھایا کہ کسی مسلمان کو بصورت قصاص، جرم مرتد و بغاوت کے سوا قتل نہ کیا جائے- حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کا واقعہ دیکھ لیں، جناب امام حسن (رضی اللہ عنہ) سے آپ کرم اللہ وجہہ الکریم نے یہی فرمایا تھا کہ مجھ پر حملہ کرنے والے کو سزا آپ نہ دیں بلکہ قانون اسے سزا دے گا-[4]

ایسے گوناگوں واقعات موجود ہیں جہاں حکمران تمدنی بیداری کے مالک تھے اور معاشرے میں امن اور مثال قائم کرنے کے لئے انہوں نے اپنی زندگیاں صرف فرمادیں- دورِ حاضر میں بھی قانون کی بالادستی اسی صورت ممکن ہے جب قانون اپنے ہاتھ میں لینے کے بجائے عدلیہ اور متعلقہ اداروں کی طرف دیکھا جائے اور انصاف کے لئے جدوجہد کی جائے تبھی معاشرہ تہذیب و تمدن کا شاخسانہ بن سکتا ہے-

حقوق و فرائض کی تکمیل:

ایک انسان کے دوسرے انسان پہ کئی حقوق ہیں جن کی ادائیگی کرنا لازم ہے جبکہ حق تلفی کرنا معاشرتی بگاڑ، تصادم، فساد اور عصبیت کی وجہ بن سکتی ہے- سیرت النبی (ﷺ) کا مطالعہ

[3] (صحیح بخاری / صحیح مسلم / سنن ترمذی / سنن ابی داؤد) [4] (تاریخ طبری)

کرنے والے اس بات سے واقف ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک (ideal) معاشرہ تشکیل دیا جہاں ایک پڑوسی کے دوسرے پڑوسی پہ حقوق رکھے گئے، گھر میں میاں بیوی، والدین، اولاد، بھائی بہن اور رشتے داروں کے ایک دوسرے پہ حقوق رکھے گئے- سماج میں موجود بیوہ عورتوں، یتیم مسکین بچوں کے حقوق رکھے گئے تاکہ مساوات اور بھائی چارگی کی فضا کو قائم و دائم رکھا جا سکے- انصار و مہاجر کی مواخات کا واقعہ آج ہمیں شہری ذمہ داریوں کا درس دے رہا ہے- حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ خود اُس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اُسے حقیر جانتا ہے- پھر آپ (ﷺ) نے اپنے قلب مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار یہ الفاظ فرمائے: تقویٰ کی جگہ یہ ہے- کسی شخص کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے- ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے"-[5]

ایک مقام پر آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے"-[6]

جو لوگ دوسروں کو دولت اور طاقت کی موجودگی کی وجہ سے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اُن کو اس حدیث پاک کی روشنی میں فکر مند ہونے کی ضرورت ہے-

حضور نبی کریم (ﷺ) نے یہاں تک مساوات کی فضا قائم فرمائی کہ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ:

"ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پہ یہ حق ہے کہ اگر وہ چھینکے بھی تو جواب میں اسے یرحمک اللہ کہے، بیمار ہو جائے تو عیادت کرے اور وفات پا جائے تو جنازے میں شریک ہو"-[7]

آج کا پُر فتن دور جہاں انسان وقت کے ہاتھوں مجبور ہے- اس دور میں مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ اگر وہ معاشرے کا احیاء چاہتا ہے تو حقوق و فرائض کے معاملے میں سیرت النبی (ﷺ) کی طرف اپنا رُخ پھیر لے، اسی سے تمدنی بیداری اور معاشرتی استحقاق کی بقا ہے-

صاف ستھرے معاشرے کی تشکیل:

انسان کا جسم، روح اور عقل تینوں پاکیزگی والی نفیس فطرت رکھتے ہیں- آج کا جدید دور نفاست، طہارت اور پاکیزگی کے عوامل کو عام کرنے کیلئے لائحہ عمل تیار کرتا ہے اور اس کا نفاذ ممکن بناتا ہے- سیرت النبی (ﷺ) نے طہارت کی بے مثال و بے نظیر راہیں واضح فرمائیں- فرامین مصطفےٰ (ﷺ) کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ معاشرتی اور انفرادی پاکیزگی اس قدر ضروری ہے کہ اسے ایمان میں شامل فرمایا گیا- رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ"[8]

"طہارت و پاکیزگی نصف ایمان ہے"-

میل سے صاف ہونے، نجاست سے پاک ہونے اور ہر طرح کے عیب اور قول و فعل سے مبرّا ہونے کا نام پاکیزگی ہے- دل کی صفائی اس وقت ممکن ہے جب ظاہر کی صفائی ہو اور قبلہ ایک ہو جائے- انسان کا باطن جس قدر پُرامن ہو گا اس کا ظاہر اتنا ہی امن پھیلانے کیلئے کاربند رہے گا- اسلام سلامتی کا مذہب ہے- سلامتی و پاکیزگی اس دین کی بنیاد ہیں اور یہی دو چیزیں ہر مثالی معاشرہ (Ideal Society) کی جان ہوا کرتی ہیں-

عوام کے لئے آسانیاں پیدا کرنا:

مہذب معاشرہ کی نشانی یہ بھی ہے کہ وہاں لوگوں میں جذبۂ ایثار ہوتا ہے- وہ ایک دوسرے کے خیر خواہاں اور مددگار کی دادرسی کیلئے پیش پیش ہوں- اگر کسی وجہ سے کوئی انتشار پھیلے تو اسے محتاط انداز سے ختم کرنے کی کاوش کی جائے- سورہ الحجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[5] (صحیح مسلم، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ واحتقارہ)
[6] (صحیح البخاری، رقم الحدیث:13)
[7] (صحیح مسلم، رقم الحدیث:1452)
[8] (صحیح بخاری و مسلم)

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ"[9]

"بے شک مسلمان مسلمان بھائی بھائی ہیں تو اپنے مسلمان بھائی میں صلح کرو"۔

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو رُسوا کرے، جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں مشغول رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے مصائب میں سے کوئی مصیبت دُور فرما دے گا اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا پردہ رکھے گا۔[10]

تمدن کا ایک سبق یہ بھی ہے کہ اپنی کمی کو پورا کرنے سے قبل اپنے بھائی کی محتاجی ختم کرنے کا سامان کیا جائے۔ قرآن نے بھی یہی ضابطہ عطا کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"[11]

"اور وہ (مال) ان کیلئے بھی ہے کہ جنہوں نے ان سے پہلے (مدینہ میں) گھر اور ایمان حاصل کر رکھا ہے، جو ان کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور اپنے سینوں میں اس کی نسبت کوئی خلش نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا جائے اور وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا جائے پس وہی لوگ کامیاب ہیں"۔

جب مدینے میں میٹھے پانی کا مسئلہ ہوا تو حضور نبی کریم (ﷺ) نے اعلان فرمایا کہ جو کوئی یہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے گا اس کیلئے جنت کی بشارت ہے، حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) نے نہ صرف وہ کنواں بھاری رقم ادا کر کے خرید لیا بلکہ اسے ہر خاص و عام کیلئے وقف کر دیا تاکہ "اللہ کی مخلوق" اس سے استفادہ حاصل کر سکے۔ عصر حاضر میں اس احساس کو جاگزیں کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

جہاد ریاست اور امن کا نظریہ:

مدنی زندگی سے قبل جب ہجرت نہ ہوئی تھی تب مکہ مکرمہ میں حضور رسالت مآب (ﷺ) نے 52 برس بسر کئے۔ اعلان نبوت سے لے کر ہجرت تلک مظالم کی ایسی ایسی داستانیں تاریخ نے محفوظ کر رکھی ہیں کہ انہیں پڑھ کر یا سن کر روح انسانی کانپ جائے لیکن کبھی بھی ان حالات سے نبرد آزما ہونے کیلئے جہاد کا اعلان نہیں کیا گیا۔ بلکہ جب ہجرت ہوگئی، مدینہ پاک میں ریاست کا قیام ہوگیا، مسلمانوں کے عمرہ و طواف کیلئے مکہ پاک کی سرزمین کو تنگ کئے جانے لگا، ان کے عقیدت و جذبات کو مجروح کیا جانے لگا اور ستم بالائے ستم یہ کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ بندی شروع کر دی گئی تو اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توکل علی اللہ پر کم تعداد اور کم سر و سامانی میں کتابِ بدر کے میدان میں معرکہ حق و باطل کا وہ صفحہ درج کیا جسے تاریخ نے دفاع اور ریاست کی امن و سلامتی کے باب کے طور پہ روشناس کرایا۔ اسی طرح سیرت النبی (ﷺ) کے اس اصول کے تحت ظلم و استبداد کے خلاف مسلمانوں نے ہر دور میں آواز اٹھائی۔ جہاد بالسیف اور جہاد بالقلم نے ہمیشہ اپنی للکار اور وار سے ظلم کا قلع قمع کیا اور ظلمت کی تاریکی کو نیست و نابود کیا ہے۔

حرفِ آخر:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو شعور کی دولت دی ہے جس سے وہ رہن سہن کے سلیقے سمجھ کر ان کو اپنانے کی سکت رکھتا ہے۔ بطور مسلمان ہمارے پاس معاشرے میں رہنے، اپنی ڈیوٹی اور فرائض انجام دینے کا پورا نصاب موجود ہے جو ہمیں سیرت النبی (ﷺ) سے وضع کردہ اصول عطا کرتا ہے جن سے انفرادی و اجتماعی زندگیاں سہل انداز سے بست ہو سکتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ کر اس احساس کو بیدار کیا جائے جو ہمیں ایک اچھا انسان اور ایک اچھا شہری بنا سکے۔

☆☆☆

[9] (الحجرات:10) [10] (صحیح بخاری و مسلم) [11] (الحشر:9)

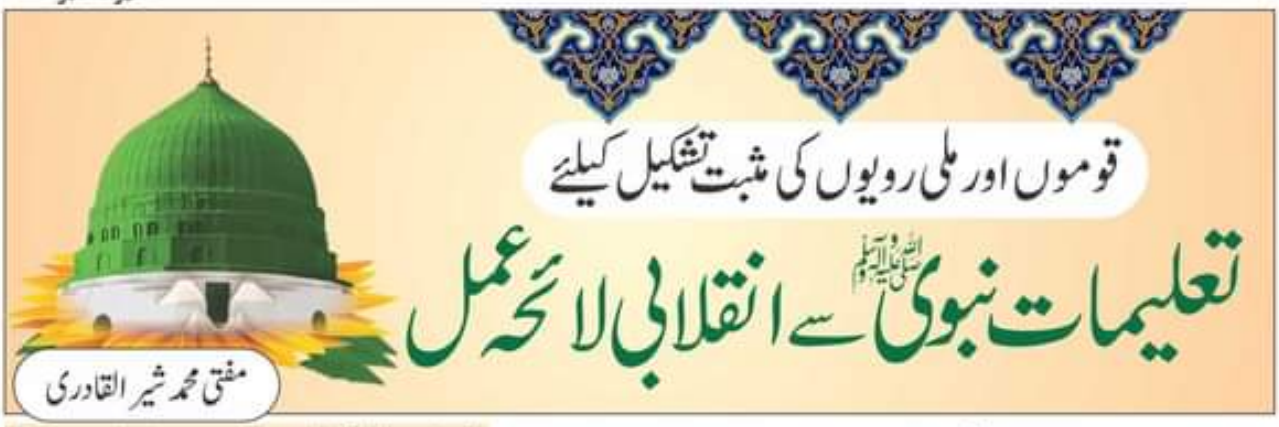

قوموں اور ملی رویوں کی مثبت تشکیل کیلئے

تعلیمات نبوی ﷺ سے انقلابی لائحہ عمل

مفتی محمد شیر القادری

جس طرح انسان اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں سے گزرتا ہے قومیں بھی اسی طرح نشیب و فراز سے گزرتی ہیں اور جو چیزیں انسان کے عروج و زوال کا باعث بنتی ہیں- یقیناً وہی چیزیں قوموں کے عروج و زوال کا سبب بنتی ہیں کیونکہ قوم کی اکائی فرد ہے، تو جو چیز فرد کیلئے نقصان دہ ہوتی ہے وہ چیز قوم کیلئے بھی نقصان دہ ہوتی ہے- اگر کسی فرد کے طرزِ تکلم، اندازِ گفتگو، لب و لہجہ، یا اُس کے رویہ میں کڑواہٹ ہے، تُرشہ پن ہے، مٹھاس سے خالی ہے تو اُسے زوال سے کوئی چیز نہیں روک سکتی-

کسی فرد، معاشرے اور قوم کے وجود کے استحکام، بقاء اور ارتقاء و انحطاط کا دارومدار اُس کے رویے، لب و لہجے اور اخلاقی اقدار پر ہوتا ہے- یہی وہ بنیادی عوامل ہیں جو فرد یا قوم کو یا تو اَوجِ ثریا پہ پہنچا دیتے ہیں یا پھر اُن کے زوال کے اسباب بن جاتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی قوم کے جنگ ہار جانے کے بعد دوبارہ اُٹھنے کے اُس کے سو فیصد مواقع (chances) باقی رہتے ہیں لیکن اَخلاقیات سے گری ہوئی قوم کے دوبارہ اُٹھنے کے مواقع اُس وقت تک باقی نہیں رہتے، جب تک کہ وہ دوبارہ اخلاقی اقدار سے ہمکنار نہ ہو جائے- جیسا کہ علامہ ابن خلدون (المتوفی: 808ھ) جو تاریخ عالم پر ایک وسیع مطالعہ رکھتے ہیں، مقدمہ ابن خلدون میں لکھتے ہیں:

"إذا تأذن الله بانقراض الملك من أمة حملهم على ارتكاب المذمومات و انتحال الرّذائل و سلوك طرقها، فتفقد الفضائل السّياسيّة منهم جملة و لا تزال فى انتقاص إلى أن يخرج الملك من أيديهم ويتبدّل به سواهم ليكون نعيا عليهم فى سلب ما كان الله قد أتاهم من الملك وجعل فى أيديهم من الخير"

"جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے ملک چھیننا چاہتا ہے تو اُس میں اخلاقِ ذمیمہ اور عاداتِ رذائل پیدا فرما دیتا ہے، اِس لیے وہ لوگ سیاسی خوبیوں سے محروم ہو جاتے ہیں اور جب بےرحماں نصیبی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ اُن کے قبضہ سے ملک نکال لیتا ہے اور کسی دوسری قوم کو دے دیتا ہے جس میں سیاسی خوبیاں پائی جاتی ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ملک سے محرومی اور حکومت کا نکلنا خود اُن کے کرتوتوں کا ثمرہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں جو نعمت ملک و عزت عطا فرمائی تھی وہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان سے سَلب کر لی گئی"-[1]

آج ہماری معاشرتی زندگی کا کوئی ایک بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جو اخلاقی زوال و انحطاط کا شکار نہ ہو، وہ چاہے رہن سہن کے معاملات ہوں، لین دین کے معاملات ہوں، خوانگی زندگی کے معاملات ہوں، رشتہ داروں یا اڑوس پڑوس کے لوگوں کے ساتھ برت برتاؤ کے معاملات ہوں- سیاسی یا مذہبی معاملات ہوں، حقوق و فرائض کی پاسداری کے معاملات ہوں ہر جگہ پر اخلاقی اقدار کا فقدان ہی نظر آئے گا-

میری دانست کے مطابق تین عوامل ایسے ہیں جو براہِ راست انسان کی اخلاقیات اور تعمیر سازی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں:

پہلا: اُن میں سے موروثی اقدار اور رویے ہیں- اگر مثبت ہوں گے تو شخصیت سازی میں خیر کے اثرات مرتب کریں گے

[1] (مقدمہ ابن خلدون، الفصل العشرون فی أن من علامات الملک التنافس فی الخلال الحمیدۃ وبالعکس، الناشر: دار الفکر، بیروت)

اگر منفی ہوئے تو پھر شخصیت سازی میں شر کے اثرات پیدا کریں گے- یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ مثبت و منفی سوچ و فکر یا اچھائی اور برائی ایک مستقل اثر رکھتی ہے- تو جس طرح نیک اعمال کے اثرات اولاد میں منتقل ہوتے ہیں اسی طرح برائی یا غیر اخلاقی عادات و خصائل اور رویوں کے اثرات بھی اولاد میں منتقل ہوتے ہیں-

دوسرا: اُن میں سے ارد گرد کا ماحول ہے جو براہِ راست انسانی رویوں اور اخلاقیات کو متاثر کرتا ہے-

تیسرا: اُن میں سے نظریہ ہے جو انسان کے عمل میں روح کی حیثیت رکھتا ہے- یہ بات بالکل درست ہے کہ عمل آدمی کے نظریہ کا آئینہ دار ہوتا ہے اگر نظریہ معتدل ہے تو عمل میں اعتدال آئے گا- اگر نظریے میں شدت ہے تو عمل میں شدت اور تنوع پیدا ہو گا- چونکہ نظریات کسی نہ کسی ذریعے اور واسطے سے آدمی کے دل و دماغ میں داخل ہوتے ہیں- اس لئے شریعت نے آدمی کو ہر کسی کے ساتھ بیٹھنے میں آزاد نہیں چھوڑا، حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ"[2]

"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، لہٰذا تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے؟"

آدمی کو نشت و برخاست کے حوالے سے احتیاط کرنا اِس لئے بھی ضروری ہے کہ کسی بھی فرد یا قوم کی بقاء اور اُس کے عروج و زوال کا انحصار اُس کے نظریہ پہ ہوتا ہے- کسی قوم کی موت و حیات، اُس کے نظریہ کی موت و حیات سے وابستہ ہوتی ہے، چونکہ انسان فطرتِ اسلام پر پیدا کیا گیا ہے، اِس لئے اِس میں خیر کا پہلو زیادہ غالب رہتا ہے، اور فطرتاً شر کی بانسبت خیر کی طرف میلان اور جھکاؤ زیادہ رکھتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ ارد گرد کا مادیت زدہ بدبودار ماحول اور باطن میں موجود حیوانی قوتیں انسانی نظریات پر حملہ آور ہونے کیلئے ہر وقت مستعد رہتی ہیں- اگر خیر کی طرف رہنمائی مل جائے تو انسان خیر کی طرف چلا جاتا ہے اور اگر شر کی طرف مادی اور حیوانی قوتیں اِسے لے کر جانے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر شر کی طرف چلا جاتا ہے- اِس لئے شریعت مطہرہ نے انسان کو ہر کسی کے ہم مجلس ہونے کی اجازت نہیں دی بلکہ صادقین کا ہم مجلس ہونے کی تلقین کی ہے-

عالم اسلام کے نامور مؤرخ اور مفکر علامہ ابن خلدون (المتوفی:808ھ) "مقدمہ ابن خلدون" میں مزید لکھتے ہیں:

"و كان الإنسان أقرب إلى خلال الخير من خلال الشّرّ بأصل فطرته وقوّته النّاطقة العاقلة لأنّ الشّرّ إنّما جاءه من قبل القوى الحيوانيّة الّتي فيه وأمّا من حيث هو إنسان فهو إلى الخير وخلاله أقرب"[3]

"اور انسان اپنی صحیح فطرت کی روح سے اور قوت عاقلہ ناطقہ کی وجہ سے خیر و صلاح سے بہت زیادہ قریب اور شر و فساد سے بہت دور ہے، کیونکہ اِس میں شر حیوانی قوتوں کی وجہ سے آتا ہے جو اس میں موجود ہیں، لیکن اگر انسان کو بحیثیت انسان کے دیکھا جائے تو وہ خیر ہی سے اور خیر والے اخلاق ہی سے زیادہ قریب ہے"-

لیکن اندرونی حیوانی قوتوں اور بیرونی مادی طاقتوں کے ہر وقت حملہ آور ہونے کی وجہ سے مسلسل خیر کی طرف جھکاؤ قائم نہیں رہ سکتا، اس لئے انسان کو فطرتاً اور جبلتاً ہر وقت ایک ایسے ہادی کی ضرورت رہتی ہے جو اُسے خیر کی طرف رہنمائی کر کے اُسے خیر پر ثابت قدم رہنے کے لئے سامان مہیا کرتا رہے- انسان کی اِسی فطرتی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے سلسلہ نبوت اور رسالت کا اجراء فرمایا ہے-

حضور نبی کریم (ﷺ) کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا لیکن آپ (ﷺ) نے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کا سامان قیامت تک کے لئے مہیا فرما دیا، جو ہر لحہ ان کی رہنمائی کے لئے موجود اور مستعد ہے-

[2](سنن أبي داود، كِتَاب الْأَدَبِ، سنن ترمذی، أَبْوَابُ الزُّهْدِ)

[3](مقدمه ابن خلدون، الفصل العشرون في أن من علامات الملك التنافس في الخلال الحميدة وبالعكس، جز: 1، ص: 178، الناشر: دار الفكر، بيروت)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بعثت نبوی (ﷺ) سے قبل عرب کا وہ معاشرہ جو ہر قسم کے اخلاقی بحران میں گھرا ہوا تھا- فکری بحران، نظریاتی بحران اور معاشرتی بحران آسمان کو چھو رہے تھے- یہ اُن کے فکری بحران کا نتیجہ ہی تھا کہ اپنے ہاتھوں سے پتھر کی مورتیوں کو تراشتے اور اُنہی کے آگے سجدہ ریز ہو جاتے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہونے جیسے اعمال یہ ان کے نظریاتی بحران کے ہی مرہون منت تھے، لیکن حضور نبی کریم (ﷺ) نے پہلے عشرے میں ہی ان کی کایا پلٹ کر رکھ دی جو معاشرہ صدیوں پر محیط جہالت پر قائم تھا، اعلانِ نبوت کے بعد پہلا عشرہ گزرنے کو ہی تھا کہ ایک ایسا مثالی معاشرہ وجود میں آ گیا، جس کی مثال تاریخ قیامت تک پیش نہیں کر سکے گی-

دیکھو! کہ کیسے لوگ تیار کر لئے گئے جو اپنے جینے پر دوسروں کے جینے کو ترجیح دے رہے ہیں اور اپنی جائیداد میں دوسرے مسلمان بھائی کو برابر کا شریک کر رہے ہیں- اس کی وجہ یہ تھی کہ انسان کے اندر خیر کا عنصر غالب ہوتا ہے جب بھی اُسے تربیت کے ماحول میں سے گزارا جاتا ہے تو یہ خیر کے اوجِ ثریا کو چھونے لگتا ہے اس لئے حضور نبی کریم (ﷺ) نے دینِ اسلام کو بطور عملی نمونہ کے پیش فرمایا ہے، تاکہ لوگوں کو قبول کرنے اور اُس پر عمل پیرا ہونے میں آسانی ہو- وعدہ خلافی کی صدیوں پرانی موذی مرض کو میرے آقا کریم (ﷺ) اپنے عمل کی گرمائش سے کیسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا- ”سنن ابی داؤد“ میں ہے کہ:

”حضرت عبد اللہ بن أَبِي الْحَمْسَاء (رضی اللہ عنہ) یہ اپنا اُس وقت کا واقعہ بتا رہے ہیں کہ جب حضور نبی کریم (ﷺ) نے اعلانِ نبوت نہیں فرمایا تھا- حضرت عبد اللہ بن أَبِي الحمساء (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ بعثت سے پہلے مَیں نے حضور نبی کریم (ﷺ) سے کوئی چیز خریدی اور اُس کی کچھ قیمت میری طرف باقی رہ گئی تھی مَیں نے وعدہ کیا کہ اِسی جگہ لا کر دیتا ہوں، (جب گھر گیا)

فَنَسِيتُ، ثُمَّ ذَكَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ، فَجِئْتُ فَإِذَا هُوَ فِي مَكَانِهِ، فَقَالَ: يَا فَتًى، لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ، أَنَا هَاهُنَا مُنْذُ ثَلَاثٍ أَنْتَظِرُكَ[3]

”تو مَیں بھول گیا اور تین دن کے بعد مجھے یاد آیا، جب مَیں واپس آیا تو آپ (ﷺ) اُسی جگہ (میرے انتظار میں) موجود تھے، آپ (ﷺ) نے فرمایا: جوان تم نے مجھے تکلیف دی ہے، مَیں تین دن سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں“-

وعدہ خلافی ایک انتہائی غیر اخلاق اور معاشرتی ناسور تھا جس کی بیخ کنی کیلئے حضور نبی کریم (ﷺ) نے خود کو مشکل میں ڈال کر عملی اقدامات کے ساتھ اِس کا تدارک کیا، آپ (ﷺ) نے وعدہ خلافی کے نقصانات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ[4]

”اُس کا ایمان (سلامت) نہیں جو امین نہیں اور اُس کا دین (سلامت) نہیں جس میں عہد (کی پاسداری) نہیں“-

صحیح البخاری کی روایت میں وعدہ خلاف کو منافق قرار دیا گیا ہے- حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”جس میں چار باتیں ہوں وہ منافق ہے یا جس میں چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کا اتنا ہی حصہ ہے یہاں تک کہ اُسے چھوڑ دے:

1- إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ

جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا

2- وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ

جب وعدہ کرے گا تو خلاف ورزی کرے گا

3- وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ

جب معاہدہ کرے گا تو توڑ دے گا

4- وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ[5]

اور جب جھگڑا کرے گا تو گالیاں دے گا

[4](مسند احمد بن حنبل، صحیح ابن حبان)

[5](صحیح بخاری، کِتَاب المَظَالِمِ وَالغَصْب)

آپ (ﷺ) کا معاشرتی ناانصافی وبدیانتی اور غیر اخلاقی ناسور کے خاتمے، سماجی اور فکری تغیر و تبدل اور غیر منصفانہ رویوں کی درستگی اور غیر عادلانہ طرز عمل کو عادلانہ ترازو میں رکھ کر تولنے کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ. أَنَّهُمْ كَانُوا يُقِيمُونَ الْحَدَّ عَلَى الْوَضِيعِ وَيَتْرُكُونَ الشَّرِيفَ. وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ فَعَلَتْ ذَلِكَ لَقَطَعْتُ يَدَهَا"[6]

"بے شک تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہو گئے کہ وہ لوگ کسی حقیر اور پسماندہ مرد پر تو حد قائم کرتے تھے اور معزز اور وجیہہ آدمی کو چھوڑ دیتے تھے اور اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر (حضرت) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی ایسا کرتیں تو میں اُن کا ہاتھ کاٹ ڈالتا"۔

یہ حضور نبی کریم (ﷺ) کی بعثتِ مبارکہ کے مقاصد میں سے تھا کہ لوگوں کی عادات و خصائل، اخلاقی اقدار اور اُن کے رویوں کی درستگی کی جائے کیونکہ انہی چیزوں پر فرد، معاشرے اور قوموں کی بقا، استحکام اور ارتقاء کا انحصار ہوتا ہے۔ اخلاقی اقدار کی اہمیت کا اندازہ آپ (ﷺ) کے اِن فرامین مبارکہ سے لگائیں، آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ"[7]

"بے شک میں اخلاق کی درستگی کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں"۔

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ"[8]

"بے شک میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں"۔

حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ"[9]

"میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کی تکمیل کروں"۔

حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے جب مجھے یمن روانہ فرمایا تو اُس وقت آقا کریم (ﷺ) نے جو آخری وصیت مجھے فرمائی تھی وہ یہ ہے، آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"أَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ"[10]

"اے معاذ! اپنے اخلاق کو لوگوں کیلئے اچھا بناؤ"۔

کتب احادیث میں موجود ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) بُرے اخلاق سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) دعا فرمایا کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشِّقَاقِ، وَالنِّفَاقِ، وَسُوءِ الْأَخْلَاقِ"[11]

"اے اللہ میں "دشمنی، ضد" نفاق اور بُری عادات و خصائل سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ"[12]

"مؤمنین میں کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں سب سے زیادہ اچھے ہیں اور تم میں بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں اچھے ہیں"۔

حضرت جابر بن سمرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ:

[6] (صحيح البخاري، كتاب الحدود)
[7] (الأدب المفرد، امام بخاری (المتوفی: 256ھ)، مسند احمد بن حنبل، مصنف ابن ابی شیبہ، الجامع لابن وھب)
[8] (الفوائد، مسند الشهاب، السنن الكبرى للبيهقي)
[9] (موطا امام مالک)
[10] (الترغيب والترهيب، كتاب الأدب)، (شعب الايمان للبيهقي)، (مؤطا امام مالک، كتاب حسن الخلق)
[11] (سنن ابی داؤد، كتاب الصلاۃ) (سنن نسائی، كتاب الاستعاذة)، (الدعوات الكبير للبيهقي)
[12] (سنن أبي داود، كتاب السنة)، (سنن الترمذي، أبواب الرضاع)

"إِنَّ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ لَيْسَا مِنَ الْإِسْلَامِ فِي شَيْءٍ، وَإِنَّ أَحْسَنَ النَّاسِ إِسْلَامًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا"[13]

"بیشک بد زبانی اور فحش گوئی کا اسلام سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں اور اسلام کے اچھے وہ ہیں، جو اخلاق کے اچھے ہوں"۔

یہ اِسی تعلیماتِ نبوی (ﷺ) کا نتیجہ تھا کہ چند عشروں میں ایک ایسا مثالی، غیرت مند، جرأت مند، ایماندار، امانتدار، دیانت دار، وفادار، مُنصف، حیادار، لالچ سے پاک، تکبر سے پاک، بدکاری سے پاک اور صاحب اخلاق معاشرہ وجود میں آیا کہ جس نے شرق سے غرب تک پورے عالم کفر کو متاثر کیا۔

لیکن مَیں بعض دفعہ اپنے معاشرے کو دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتا ہوں کہ دورِ جاہلیت والا اخلاقی زوال پلٹ کر پھر ہمارے معاشرے میں داخل ہو گیا ہے۔ تو اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس کا تدارک کیسے کیا جائے گا؟

غیر اخلاقی اقدار اور تلخ رویوں کا تدارک:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہر نیک اور بد عمل کی تحریک سب سے پہلے انسان کے قلب و باطن میں پیدا ہوتی ہے جو بعد میں عمل کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نیکی اور برائی کی جڑ انسان کے قلب و باطن میں پیوست ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ آدمی کا عمل اس کے باطن کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اگر باطن کا ماحول خوشگوار ہے، درست ہے، اچھا ہے، پاکیزہ ہے تو وہاں سے اچھے اعمال کا صدور ہوتا ہے اگر باطن کا ماحول اچھا نہیں ہے، اس میں شدت ہے، منافرت ہے، تناؤ ہے، غم و غصہ ہے تو پھر وہاں سے انسان کے رویوں اور اعمال سے انہی چیزوں کا ظہور ہوتا ہے۔

اس لئے ایک مثالی معاشرہ قائم کرنے کے لئے سب سے پہلے انسان کے قلب و باطن کا تزکیہ کرنا از حد ضروری ہے تاکہ اس کی فکری اور اعتقادی تطہیر ہو جائے اور اس کا تعلق باللہ استوار ہو جائے کیونکہ مثالی معاشرہ کے قیام کے لئے بنیادی طور پر اس شعور کا پیدا کرنا ضروری ہے کہ ہر فرد خود کو اللہ کے حضور حاضر سمجھے، یہی وجہ تھی کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے اعلانِ نبوت کے وقت سب سے پہلے جو خطبہ ارشاد فرمایا، اُس میں یہی فلسفہ کار فرما تھا کہ اولین انسان کے تعلق باللہ کو استوار کیا جائے تاکہ معبودانِ باطلہ سے چھٹکارا پا سکے۔ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"قولوا لا اله الا الله تفلحوا"

"لا الہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ جاؤ گے"۔

یعنی دنیا و آخرت کی فلاح کے حصول کے لئے آدمی کے قلب و باطن میں یہ عقیدہ راسخ کرنا ضروری ہے کہ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جو وحدہ لاشریک ہے اور میں اس کا عاجز بندہ ہوں۔ اسی تصور کو سورۃ لقمان کی آیت: 13 سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا جس کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ"[14]

"اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بیشک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا ظلم ہے"۔

دراصل یہ وہ بنیادی سبق ہے جو بندے کو ہر وقت اللہ جل شانہ کے حضور حاضر ہونے کا احساس دلاتا رہتا ہے، اور اِسی احساس کو مستقل اور مضبوط کرنے کیلئے قرآن کریم نے ایک مشق جاری رکھنے کا حکم فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ"[15]

"پس اللہ کی یاد کرو، کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے"۔

امام ابن جریر ابو جعفر الطبری (المتوفی: 310ھ) "تفسیر طبری" میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ:

---

[13] (مسند احمد)، (مصنف ابن ابی شیبہ)، (مسند أبی یعلی)، (الترغیب والترھیب، کتاب الأدب)

[14] (لقمان: 13)

[15] (النساء: 103)

"باللیل والنھار، فی البر والبحر، وفی السفر و الحضر، والغنی والفقر، والسقم و الصحة، والسرِّ والعلانیة، وعلی کل حالٍ"[16]

"دن اور رات میں، خشکی اور تری میں، سفر اور حضر میں، غنایت اور فقر میں، بیماری اور صحت میں، پوشیدہ اور اعلانیہ یعنی ہر حال میں اللہ کا ذکر کریں"۔

امام بیضاوی تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"داوموا علی الذکر فی جمیع الأحوال"

"تمام احوال میں ذکر اللہ پر دوام اختیار کرو"۔

اسی تصور کو حدیث شریف میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"أَكْثِرُوا ذِكْرَ اللهِ حَتَّى يَقُولُوا مَجْنُونٌ"[17]

"اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہیں"۔

پھر نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ"[18]

"اے میرے بیٹے (برائی) اگر رائی کے دانہ برابر ہو پھر وہ پتھر کی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں کہیں ہو، اللہ اسے لے آئے گا، بیشک اللہ ہر باریکی کا جاننے والا خبردار ہے"۔

یعنی کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکتا۔

سلطان الفقر ششم بانیٔ اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین حضرت سلطان محمد اصغر علی (قدس اللہ سرہٗ) نے آقا کریم (ﷺ) کی سنت جمیل پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تصور اسم اللہ ذات کے ذریعے لوگوں میں ذکر اللہ کو عام کیا اور آپ اکثر یہ پڑھا کرتے تھے کہ:

نال تصور اسم اللہ دے دم نوں قید لگاویں ہو

یعنی اپنی سانسوں کو اللہ کے ذکر میں ایسا لگا دو کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر کے بغیر نہ نکلے، تاکہ ہر وقت دھیان اُسی طرف رہے اور بندہ اپنے آپ کو ہر وقت اللہ کے حضور حاضر سمجھے، اسی شعور کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ تو بھلا ایسی کیفیت میں رویوں میں تلخی آنے کی نوبت آسکتی ہے یا کسی کے ساتھ زیادتی کرنے کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ دوسرا فائدہ اس کا یہ ہوگا کہ ذکر اللہ دل کی زمین کے لئے پانی کی حیثیت رکھتا ہے جو دل میں نرمی پیدا کرتا ہے اور یقیناً جب انسان کے باطن میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے تو انسان کے رویوں، عادات و خصائل اور لب و لہجہ میں بھی نرمی پیدا ہو جاتی ہے جو کسی قوم کی بقاو ارتقاء کی ضمانت ہے۔

جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (دامت برکاتہم العالیہ) کی طرف سے یہ پیغام ہے کہ جب ہمارا رب بھی رحمان و رحیم ہے اور ہمارا نبی بھی رحمۃ اللعالمین ہے تو اُمتی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے وجود سے رحمت اور نرمی کا ظہور ہو۔

اسی تصور کو حضرت علامہ اقبال نے یوں بیان فرمایا:

تا نداری از محمد رنگ و بو
از درود خود میالا نام او

"جب تک تو حضرت محمد (ﷺ) کے (اخلاقِ عالیہ) کا رنگ و بو اختیار نہیں کرتا اس وقت تک اپنے درود سے حضور پاک (ﷺ) کے نام نامی کو آلودہ نہ کر"۔

بس!

ایسا رہا کریں کہ لوگ آرزو کریں
ایسا چلا کریں کہ زمانہ مثال دے

☆☆☆

صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

[16] (تفسیر طبری، زیر آیت سورۃ النساء:103)
[17] (مسند احمد بن حنبل)، (صحیح ابن حبان)، (مسند بزار)، (مستدرک علی الصحیحین)
[18] (لقمان:16)

اکل حلال اور صدق مقال

تعلیماتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

کے تاکیدی پہلو

مفتی محمد منظور حسین
مُدرّس دارالعلوم غوثیہ عزیزیہ انوار حق باھو سلطان
دربار حضرت سلطان العارفین سلطان باھوؒ

انسان اگر بنظر تفکر کائنات کی صنعت کاری میں غور کرے تو یہ حقیقت پنہاں نہیں رہتی کہ خالق کائنات نے دنیا کی جملہ مخلوقات کو ایک مکمل و مربوط نظم اور ڈسپلن عطا کیا- ہر چیز اپنے مقررہ قواعد و ضوابط میں رہتے ہوئے ہی زندگی گزارنے کی پابند ہے- بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بیجا نہ ہو گا کہ ہر شے کی تخلیق کے مقصد اور اس کی افادیت سے اسی وقت کامل طور پر بہرہ مند ہوا جاسکتا ہے جب وہ شے اپنے متعین اصولوں اور نظم و ضبط (discipline) پر عمل پیرا ہو-

تمثیلاً عرض ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کے نظم و ضبط کو یوں بیان فرمایا:

"وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ"[1]

"اور سورج اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے یہ (خدائے) غالب اور دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے"-

یعنی سورج کیلئے یہ متعین نظام ہے کہ وہ اپنے مقررہ مدار پر رہتے ہوئے ہی طلوع و غروب ہوتا ہے اور یہی اس کا ضبط و نظم ہے- بصورت دیگر جیسے ہی وہ اپنے مقررہ راستہ سے ہٹ کر مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو گا تو از روئے حدیث پاک نظام کائنات تغیر پذیر ہو جائے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی- اسی طرح ہم جب آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں اور اس کی صنعت میں غور کرتے ہیں تو صانع کائنات اس کے نظم و ضبط کو یوں بیان فرماتا ہے:

"اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ"[2]

"وہ ذات جس نے تخلیق کیا سات آسمانوں کو طبق در طبق (اوپر تلے)- کیا تو رحمٰن کی خلقت میں کچھ نقص دیکھتا ہے؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے؟"

گویا آسمان کا طبق در طبق ہونا اس کے حسن انتظام اور نظم و ضبط کو واضح کرتا ہے- مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے متصل یہ دعویٰ فرمایا کہ تجھے رحمٰن کی صنعت اور تخلیق میں کوئی تفاوت، نقص یا کمی بیشی نظر نہیں آئے گی- اب اگر زمین کی خلقت اور صنعت میں غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

"وَّجَعَلْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا"[3]

"اور ہم نے اس میں اونچے اونچے لنگر ڈالے اور ہم نے تم کو خوب میٹھا پانی پلایا"-

---

[1] (یٰس:38) [2] (الملک:3) [3] (المرسلت:27)

یعنی زمین کو پہاڑوں کی میخوں پر کھڑا کیا اور ان کے نیچے سے پانی جاری کیا جس سے لوگ سیراب ہو رہے ہیں- اگر پہاڑوں کی میخیں زمین سے ہٹا دی جائیں تو زمین ہلنے لگ جائے اور اس پر بسنے والی مخلوق اپنا سکون تو کیا اپنی جان تک گنوا بیٹھے اور نظم کائنات درہم برہم ہو جائے- اس طرح کی کئی مثالیں قران کریم سے پیش کی جا سکتی ہیں جیسے ہوا، پانی، آگ وغیرہ یہ جب تک اپنی حدود میں چلتے اور بہتے ہیں تو سب کیلئے نفع بخش ہوتے ہیں مگر جب حد سے تجاوز کرتے ہیں تو آندھی، طوفان، سیلاب اور جلانے کے ساتھ ساتھ تباہی اور بربادی کا سبب بنتے ہیں-

اسی طرح اگر شہد کی مکھی کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ اگرچہ دیکھنے میں تو چھوٹی ہے مگر سبق بہت بڑا دیتی ہے کیونکہ وہ ایک خاص نظم و ضبط کے تحت چلتی نظر آتی ہے کہ اللہ نے اس کو خاص راستوں سے آنے جانے، خاص مقامات پر اپنا گھر بنانے اور صاف پھلوں سے غذا حاصل کرنے کا حکم دیا- جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ"[4]

"اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام فرمایا کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں اور چھتوں پر"-

مزید فرمایا:

"ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ"[5]

"اور ہر قسم کے پھل میں سے کھا- اور اپنے رب کے صاف رستوں پر چلی جا کہ تیرے لئے نرم و آسان ہے- اس کے پیٹ سے ایک پینے کی چیز رنگ برنگ نکلتی ہے- اس میں لوگوں (کے کئی امراض) کی شفا ہے- بے شک اہل تفکر کے لیے اس میں بھی نشانی ہے"-

پس ثابت ہوا کہ اگر شہد کی مکھی نظم و ضبط میں رہ کر خدا کے حکم کو تسلیم کرتی ہے تو اس کے پیٹ سے نکلنے والا مادہ لوگوں کے لئے شفاء ثابت ہوتا ہے- اگر شہد کی مکھی اپنے نظم حیات کو فراموش کر دے تو اس کے بطن سے نکلنے والا رس شفا نہیں بلکہ وبا بن جائے-

ان تمام مثالوں سے یہ بات واضح ہوئی کہ جملہ مخلوقات کے نظام حیات کی بقا کیلئے ایک مخصوص نظم و ضبط مقرر کیا گیا ہے جس سے کسی بھی صورت دستبردار ہونے کا واحد نتیجہ نظام کائنات کی تباہی اور فساد ہے- اس لئے جس طرح زمین اور آسمان کی بقا کا ایک نظام متعین ہے تو اسی طرح زمین و آسمان کے مابین رہنے والے انسانوں کو سفر حیات گزارنے کیلئے بھی قرآن و سنت سے ایک خاص عطا کیا گیا ہے جس پر کاربند رہنے میں ہی انسانیت کا حسن اور نظام حیات کی بقا ہے بلکہ اسی میں انسان کی دنیوی و اخروی زندگی کی فلاح بھی پوشیدہ ہے-

اسی نصاب اور نظم و ضبط پر عمل پیرا ہو کر انسان زندگی کے ہر پہلو کے ساتھ ساتھ اپنے وجود کے ہر عضو کو سنوار کر اپنے تن کو ایک عظیم محل بنا سکتا ہے جسے رحمانی حجرہ قرار دیا جائے- جیسا کہ سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:

ایہہ تن رب سچے دا حجرہ وچ پا فقیرا جھاتی ہو

اس شاندار محل کے دو اہم اور بنیادی مقامات پر قران کریم اور بالخصوص حدیث نبوی (ﷺ) کے تاکیدی پہلو کو پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں- ایک کا تعلق بطن سے اور دوسرے کا لسان سے یعنی اکل حلال اور صدق مقال-

یہاں پر ایک بنیادی بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ اکل حلال کیلئے کسب حلال لازم ہے- کسب حلال کو کئی نقطہ

---

[4](النحل:68)
[5](النحل:68)

نظر سے دیکھا جا سکتا ہے، لیکن یہاں دو طریق کی وضاحت کی گئی ہے۔

معاشرتی اعتبار سے کسب حلال کے نتیجہ میں آدمی کو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اگر اسے خالصتاً دینی اور مذہبی نگاہ سے دیکھیں تو وہ مخلوق کے ساتھ ساتھ خالق کی نگاہ میں بھی محبوب ترین بندہ قرار پاتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ "الکاسب حبیب اللہ"[6] گویا وہ خالق و مخلوق کے ہاں محبوب بن جاتا ہے۔

گو کہ پیٹ بھرنے کے لئے مختلف طریقوں سے کمائی کی جاسکتی ہے مثلاً جائز اور ناجائز۔ اگر انسان جائز طریقے سے کمائی کر کے کھائے تو اکل حلال اور ناجائز طریقے سے کما کر کھائے تو حرام۔ اس کی بے شمار مثالیں قرآن و سنت میں موجود ہیں۔

حلال کمائی میں نوید اور حرام کمائی میں وعید

ایک مقام پر حضور نبی کریم (ﷺ) نے ایسے شخص سے متعلق نوید سنائی جس نے مسلسل چالیس دن حلال کا لقمہ کھایا اور حرام سے خود کو محفوظ کیا۔

"قال النبی (ﷺ): مَنْ أَكَلَ الحَلَالَ أَرْبَعِينَ يَوْماً نَوَّرَ اللهُ قَلْبَهُ وَأَجْرَى يَنَابِيعَ الحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى لِسَانِهِ"[7]

"حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے چالیس دن تک رزق حلال کھایا اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو منور فرمادے گا اور حکمت کے چشموں کو اس کے دل سے اس کی زبان پر جاری فرمادے گا"۔

اس حدیث پاک میں تین بشارتیں دی گئی ہیں: (1) تنویر قلب، (2) چشمہ حکمت اور (3) قلب کے راستے طہارت لسانی۔ یہ تو 40 دن کے رزق حلال کی برکت ہے دائمی حلال کھانے کی برکات کی تو اندازے سے باہر ہوں گی۔

حضرت سعد (رضی اللہ عنہ) نے سیدی رسول اللہ (ﷺ) کی بارگاہ میں عرض کی کہ یارسول اللہ (ﷺ) آپ اللہ تعالیٰ سے میرے مستجاب الدعوات ہونے کا سوال فرمایئے تو حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"أَطِبْ طُعْمَتَكَ تُسْتَجَبْ دَعْوَتَكَ"[8]

"تو اپنے کھانے کو پاک (حلال) کرلے تیری دعا قبول کی جائے گی"۔

گویا دعاؤں کی مستجابی کا نسخہ اکسیر اکل حلال ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ (ﷺ): إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَأَنَّ اللهَ أَمَرَ المُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ المُرْسَلِينَ فَقَالَ: (يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا) وَقَالَ: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ) ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ: يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِّيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ"[9]

"حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ پاک ہے اور وہ صرف پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے متعلق رسولوں کو حکم فرمایا اسی چیز کے متعلق ہی مومنوں کو حکم فرمایا تو پس فرمان باری تعالیٰ ہے: رسولوں کی جماعت! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل

---

[6] البیضاوی، قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی، المتوفی 1069، حاشیۃ الشہاب علی التفسیر البیضاوی (بیروت: دار لکتب العلمیہ، ایڈیشن 2 سن 2018)، ص 319

[7] الشیخ ابی طالب المکی محمد بن علی بن عطیۃ، المتوفی 386، قوت القلوب فی معالمۃ المحوب، جلد 3، کتاب تفصیل الحلال و الحرام و ما بینھما من الشبہات، الفصل الثامن و الاربعون (القاھرہ: مکتبہ دار لتراث)، ص 1712

[8] الغزالی، الامام ابو حامد محمد بن محمد، المتوفی 505ھ، احیاء علوم الدین، جلد دوم، کتاب الحلال و الحرام، باب فی فضیلۃ الحلال و مذمۃ الحرام (کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ)، ص: 111

الشیخ ابی طالب المکی محمد بن علی بن عطیۃ، المتوفی 386، قوت القلوب فی معالمۃ المحوب، جلد 3، کتاب تفصیل الحلال و الحرام و ما بینھما من الشبہات، الفصل الثامن و الاربعون (القاھرہ: مکتبہ دار لتراث)، ص: 1714

[9] القشیری، ابو الحسن مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب و تربیتھا، رقم الحدیث: 1015 (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ایڈیشن ہشتم 1437ھ)، ص: 364

کرو اور فرمایا: "اے ایمان والو! ہم نے جو پاکیزہ چیزیں تمہیں عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ"۔ پھر آپ نے اس آدمی کا ذکر فرمایا جو دُور دراز کا سفر طے کرتا ہے پراگندہ بال اور خاک آلود ہے، آسمان کی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے دعا کرتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب حالانکہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام اور اسے حرام کی غذا دی گئی تو ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو؟"

اس حدیث پاک میں درج ذیل نکات کا ذکر ہے:

- مطلق پاکیزگی کا ذکر
- لقمہ حلال کھانے کے بعد اپنی عبادت اور بندگی کا ذکر
- اہل ایمان کو انبیاء (علیہم السلام) کی پیروی میں رہ کر حلال اور پاکیزہ کھانے کی تلقین فرمائی
- حرام کھا کر دعا کی قبولیت کی توقع فضول ہے۔

توجہ رہے! محض حرام کے لقمہ کی ہی بات نہیں بلکہ کھانا، پینا، پہننا اور باقی تمام اقسام کی حرام غذائیں دعا کو قبولیت سے محروم کر دیتی ہیں۔

بلکہ دوسرے مقام پر اتنی سخت وعید فرمائی گئی کہ آدمی دہل جاتا ہے کہ صرف دعا ہی کی عدم قبولیت کی بات نہیں بلکہ فرائض ونوافل جیسی عبادت کی قبولیت بھی روک دی جاتی ہے۔ جیسا کہ فرمانِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے:

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ:

"إِنَّ لله مَلَكاً عَلَى بَيْتِ المَقْدِسِ يُنَادِي كُلَّ لَيْلَةٍ: مَنْ أَكَلَ حَرَاماً لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ"[10]

"اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس پر ایک فرشتہ کو معمور فرمایا جو ہر رات یہ ندا لگاتا ہے کہ: جس نے حرام میں سے کھایا اس کا نہ کوئی نفل قبول کیا جائے گا نہ ہی کوئی فرض"۔

پہلی حدیث پاک میں تو پورے لباس کا ذکر ہوا ہے اس حدیث پاک میں اس سے بھی زیادہ وعید فرمائی گئی کہ اگر دس درہم کے لباس میں ایک درہم بھی حرام شامل ہو تو جب تک وہ لباس جسم پر موجود رہے گا نماز قبول نہیں ہو گی۔

حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ:

"مَنِ اشْتَرَى ثَوْباً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَفِي ثَمَنِهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ الله صَلَاتَهُ مَا دَامَ عَلَيْهِ مِنْهُ شَيْءٌ"[11]

"جس نے بھی دس درہم کے عوض کوئی کپڑا خریدا اور اس کے مال میں ایک درہم حرام کا تھا تو جب تک اس کپڑے کا کوئی حصہ اس انسان کے بدن پر ہو گا اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو کبھی قبول نہیں فرمائے گا"۔

اگر عمیق نظری سے احادیث مبارکہ کا مطالعہ کیا جائے تو آدمی ورطۂ حیرت میں چلا جاتا ہے کہ اعمال صالحہ کی قبولیت میں رزق حلال کا اتنا بڑا عمل دخل ہے۔ جیسا کہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"العِبَادَةُ عَشَرَةُ أَجْزَاءٍ: تِسْعَةٌ مِنْهَا فِي طَلَبِ الحَلَالِ"[12]

"عبادت کے کل دس اجزاء ہیں جن میں سے نو اجزاء کا تعلق طلب حلال سے ہے"۔

اگر رزق میں سود کی آمیزش ہو جائے تو اس پر سخت وعید فرمائی گئی ہے۔ آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ:

"دِرْهَمٌ مِنْ رِبًا أَشَدُّ عِنْدَ الله مِنْ ثَلَاثِينَ زِنْيَةً فِي الإِسْلَامِ"[13]

---

[10] البیہقی، ابو العباس احمد بن محمد بن علی ابن حجر، المتوفی 974ھ، الزواجر عن اقتراف الکبائر، جلد اول، باب المناھی من البیوع (بیروت: دار لکتب العلمیہ)، ص:332

[11] التبریزی، العلامہ الشیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب، المتوفی 741ھ، مشکوۃ المصابیح، جلد اول، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، رقم:2789 (بیروت: دار لکتب العلمیہ)، ص:518

[12] الغزالی، الامام ابو حامد محمد بن محمد، المتوفی 505ھ، احیاء علوم الدین، جلد دوم، کتاب الحلال و الحرام، باب فی فضیلۃ الحلال و مذمۃ الحرام (کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ)، ص:112

[13] احمد بن حنبل، المتوفی 241ھ، المسند، جلد 12، حدیث عبداللہ بن حنظلہ، رقم:21854، (قاہرہ: دار لحدیث)، ص373

"مال سود کا ایک درہم اللہ تعالیٰ کے ہاں دین اسلام میں 30 مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت جرم ہے"۔

قرآن وسنت کے عملی پیکر ہر دور میں نمایاں نظر آتے ہیں اور تاریخ کے اوراق کا وہ نمایاں ورق ہوتے ہیں جن کے بارے میں علامہ محمد اقبال فرماتے ہیں:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

انہی ذوات قدسیہ میں سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کی ذات گرامی بھی ہے جن کے تقوٰی کی شہادت اللہ پاک نے قرآن کریم میں یوں ارشاد فرمائی:

"أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۖ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ"[14]

"وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کیلئے پرکھ لیا ہے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے"۔

آپ (رضی اللہ عنہ) کے تقوٰی اور پارسائی کو اختلافِ الفاظ کے ساتھ امام بخاری اور امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہما) نے یوں ذکر فرمایا ہے کہ:

"سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے غلام کی کمائی سے دودھ نوش فرمایا۔ پھر اپنے غلام سے اس متعلق سوال کیا کہ یہ دودھ کس مال سے خریدا تو اس غلام نے کہا: میں نے ایک قوم کیلئے عمل کہانت (یعنی نجومیوں کا سا عمل) کیا تھا انہوں نے اس کے بدلہ مجھے جو مال دیا اس میں سے میں نے یہ دودھ خریدا تھا؛

"فأدخل أصابعه فی فیه وجعل یقیء حتی ظننت أن نفسه ستخرج"[15]

"سیدنا ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے اپنی انگلی اپنے منہ میں ڈالی اور قے یعنی الٹی کر دی حتی کہ راوی فرماتے ہیں مجھے گمان ہوا کہ عنقریب آپ کی جان نکل جائے گی"۔

صوفیاء کرام کے ہاں بھی تقوٰی اور پارسائی اتنا اہم عمل ہے کہ عملی زندگی میں انہوں نے اس کے اوپر کبھی سودا نہیں کیا۔ جیسا کہ حضرت سفیان ثوری (رضی اللہ عنہ) کے فرمان سے واضح ہے کہ:

"من أنفق من الحرام فی طاعة الله كان كمن طهر الثوب النجس بالبول والثوب النجس لا يطهره إلا الماء، و الذنب لا يكفره إلا الحلال"[16]

"جس نے اللہ کی اطاعت میں حرام مال کو خرچ کیا تو وہ ایسے ہیں کہ گویا اس نے ناپاک کپڑے کو پیشاب کے ساتھ پاک کیا اور ناپاک کپڑے کو سوائے پانی کے کوئی شے پاک نہیں کر سکتی اور گناہ کو سوائے (اکل) حلال کے کوئی چیز نہیں مٹا سکتی"۔

صدق مقال:

1- زبان ایک ایسی حقیقت ہے جسے نہ تو جھٹلایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا انکار کیا جا سکتا ہے کیونکہ پورے وجود میں یہ ایک ایسا لطیف مقام ہے کہ جس کو غور و فکر کے بعد کبھی تمام اعضاء کے سردار قلب یعنی دل سے کبھی پہلے پاتے ہیں اور کبھی بعد- یعنی دل نے جس چیز کا مشاہدہ کیا زبان اس کا اقرار کرتی نظر آتی ہے اور پورے کا پورا دین اسی کے گرد گھومتا نظر آتا ہے- گویا "اقرار باللسان و تصدیق بالقلب" کی عملی تفسیر کا یہاں نظارہ کیا جا سکتا ہے لیکن اگر کسی مقام پے زبان کو پھسلتا دیکھو تو جان لینا کہ ہلاکت کی سب سے بڑی وادی آپ کا مقدر بن چکی ہے- کیونکہ کفر و شرک کے کلمات بھی اسی زبان سے ادا ہوتے ہیں جو انسان کی تباہی و بربادی کا سبب بنتے ہیں- کائنات کی سب سے بڑی حقیقت کا اگر زبان اقرار کرے اور دل اس کی تصدیق کرے تو اسی اقرار کے نتیجے میں اکل حلال کی طرح صدق مقال بھی انسان کو محبوبِ خدا بنا دیتی ہے کیونکہ سب سے بڑا سچ زبان کے ذریعے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے اقرار سے ادا کیا جاتا ہے-

---

[14] (الحجرات:3)

[15] البخاری، محمد بن اسماعیل ،الجامع الصحیح ، کتاب مناقب الانصار،باب ایام الجاهلية ،رقم الحدیث:3842، (بیروت:دارالکتب العلمیہ،ایڈیشن نہم،1438ھ)،ص:696

[16] الغزالی،الامام ابوحامد محمد بن محمد ،المتوفی 505ھ،احیاء علوم الدین ،جلد دوم،کتاب الحلال و الحرام،باب فی فضیلة الحلال و مذمة الحرام(کوئٹہ:مکتبہ رشیدیہ)،ص:113

جیسا کہ ارشاد نبوی (ﷺ) ہے:

"قولو الا الہ الا اللہ تفلحوا"[17]

"تم کہو اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں فلاح پاؤ گے"۔

گویا یہی کلمہ بندے کو خدا کی معرفت کے ساتھ ساتھ اس کی قربت کے گُر بھی سکھاتا ہے اور اس کو محبوبِ خدا بھی بناتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات انسان اپنے کسی کلمے کو محض ایک معمولی جملہ سمجھتا ہے مگر اسے کیا خبر وہ اسے اس کی قربت کے باغات میں سے کس کیاری تک لے کر جاتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری شریف کی روایت ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ (ﷺ) قَالَ: إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا، يَرْفَعُهُ اللهُ بِهَا دَرَجَاتٍ"[18]

"حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا: بندہ اللہ کی رضامندی کے لیے ایک بات زبان سے نکالتا ہے اسے وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا مگر اسی کی وجہ سے اللہ اس کے درجے بلند کر دیتا ہے"۔

جبکہ اسی طرح ایک دوسرا آدمی ایک ایسا کلمہ ادا کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ جہنم کی ایک ایسی وادی میں جا گرتا ہے کہ اسے اس کی خبر بھی نہیں ہوتی جو کہ اسی حدیث پاک کے دوسرے حصے میں مذکور ہے:

"وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا، يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ"

"اور ایک دوسرا بندہ ایک ایسا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے اسے وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم میں چلا جاتا ہے"۔

اس کی تائید ایک اور حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے:

قال معاذ بن جبل: قلت: یا رسول اللہ أنؤاخذ بما نقول، فقال (ﷺ): ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا ابْنَ جَبَلٍ وَهَلْ يُكِبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ"[19]

"حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں حضور نبی کریم (ﷺ) کی بارگاہ میں عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) کیا ہماری گفتگو پر بھی مواخذہ کیا جائے گا؟ تو حضور (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ: اے ابن جبل تیری ماں تجھ پر روئے یہ بات بطور شفقت فرمائی بے فائدہ اور فضول گفتگو ہی لوگوں کو جہنم میں اوندھے منہ گرائے گی"۔

آپ (ﷺ) نے تعلیم امت کیلئے حفظ لسان میں اس قدر احتیاط فرما کر امت کو درس عطا فرمایا کہ زبان کی حفاظت ایسے کی جاتی ہے اور ساتھ ہی حضرت عبد اللہ ثقفی (رضی اللہ عنہ) کے ذریعے ہر انسان پر واضح کیا کہ اگر بات ہی کرنی ہے تو صرف یار کی کرو ورنہ خاموش رہو یہی صدق مقال ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ:

"و قال عبد اللہ الثقفی: قلت یا رسول اللہ حدثنی بأمر أعتصم به فقال (ﷺ): قُلْ رَبِّيَ اللهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ، قلت: یا رسول اللہ ما أخوف ما تخاف علیّ، فأخذ بلسانه (ﷺ) وقال: هذا"[20]

"حضرت عبد اللہ الثقفی (رضی اللہ عنہ) روایت فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے کسی ایسی چیز کا حکم فرمائیں جسے میں مضبوطی سے تھام لوں۔ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: تم کہو میرا رب اللہ ہے پھر اس پر استقامت اختیار کرو۔ میں نے عرض کی یا

[17] احمد بن حنبل، المتوفی 241ھ، المسند، جلد 9، حدیث ربیعة بن عباد الدیلی ﷺ، رقم: 15965، (قاہرہ: دار لحدیث)، ص: 562

[18] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الرقائق، باب حفظ اللسان، رقم الحدیث: 6478، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ایڈیشن نہم، 1438ھ)، ص: 1182

[19] الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورہ، المتوفی 697ھ، سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی حرمة الصلاة، رقم: 6212، (بیروت: دار لکتب العلمیہ) ص 617

[20] الدارمی، الامام الحافظ عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی السمرقندی، المتوفی 255ھ، سنن الدارمی، جلد دوم، کتاب الرقائق، باب فی حفظ اللسان (قاہرہ: دار الحدیث)، ص: 181

رسول اللہ (ﷺ) آپ مجھ پر سب سے زیادہ کس چیز کا خوف رکھتے ہیں؟ تو آپ (ﷺ) نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ "اس کا"۔

حدیث پاک میں بیان "قُلْ رَبِّيَ اللهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ" سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ استقامت کا عملی طریق کیا ہے؟ اس کا جواب بھی خود حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ استقامت ایمانی استقامت قلبی پر اور استقامت قلبی زبان کی استقامت پر موقوف ہے اور اسی پر نجات کا انحصار ہے۔

"وقال أنس بن مالك: قال (ﷺ): لا يَسْتَقِيمُ إِيمَانُ الْعَبْدِ حَتَّى يَسْتَقِيمَ قَلْبُهُ ولا يَسْتَقِيمُ قَلْبُهُ حَتَّى يَسْتَقِيمَ لِسَانُهُ، وَلا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ رَجُلٌ لا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ"[21]

"حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ بندے کا ایمان اس وقت تک استقامت پر قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا قلب درست نہ ہو جائے اور اس کا قلب اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی زبان استقامت اختیار نہ کرے اور وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا جس کی لغویات سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو"۔

حضرت سعید بن جبیر (رضی اللہ عنہ) نے مرفوعاً حضور نبی کریم (ﷺ) سے روایت فرمایا کہ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ:

"إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ أَصْبَحَتِ الأَعْضَاءُ كُلُّهَا تُذَكِّرُ اللِّسَانَ أَيْ تَقُولُ اتَّقِ اللهَ فِينَا فَإِنَّكَ إِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَإِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا"[22]

"جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے"۔

دوسری روایت میں ہے:

"وعن ابن مسعود أنه كان على الصفا يلبي ويقول: يا لسان قل خيراً تغنم واسكت عن شر تسلم من قبل أن تندم. فقيل له يا أبا عبد الرحمن أهذا شيء تقوله أو شيء سمعته؟ فقال: لا بل سمعت رسول الله (ﷺ) يقول: إِنَّ أَكْثَرَ خَطَايَا ابْنِ آدَمَ فِي لِسَانِهِ"[23]

"حضرت ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ آپ صفا کے پہاڑ پر تلبیہ پڑھ رہے تھے اور فرما رہے تھے: اے زبان بھلائی کی بات کہہ فائدہ اٹھائے گی اور اس سے پہلے کہ تجھے ندامت اٹھانی پڑے بری بات کہنے سے خاموش رہ سلامت رہے گی۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ اے ابو عبد الرحمن! یہ بات آپ اپنے سے کہہ رہے ہیں یا آپ نے کسی سے سنی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں نے حضور نبی کریم (ﷺ) کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کی اکثر خطائیں اس کی زبان سے سرزد ہوتی ہیں"۔

مومن اور منافق کی زبان کا واضح فرق بھی بیان کیا گیا کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ:

"إِنَّ لِسَانَ الْمُؤْمِنِ وَرَاءَ قَلْبِهِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِشَيْءٍ تَدَبَّرَهُ بِقَلْبِهِ ثُمَّ أَمْضَاهُ بِلِسَانِهِ وَإِنَّ لِسَانَ الْمُنَافِقِ أَمَامَ قَلْبِهِ فَإِذَا هَمَّ بِشَيْءٍ أَمْضَاهُ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَتَدَبَّرْهُ بِقَلْبِهِ"[24]

"مومن کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہوتی ہے جب وہ کسی چیز کے متعلق گفتگو کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے بارے میں اپنے دل میں غور کرتا ہے پھر اسے زبان پر

[21] البیہقی، الامام ابی بکر احمد بن الحسین، المتوفی 458ھ، شعب الایمان، ج 1، (بیروت: دار لکتب العلمیہ)، ص: 41

[22] الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورہ، المتوفی 697ھ، سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی حفظ اللسان، رقم: 2407، (بیروت: دار لکتب العلمیہ) ص: 572

[23] البیہقی، الامام ابی بکر احمد بن الحسین، المتوفی 458ھ، شعب الایمان، ج 4، باب فی حفظ اللسان، فصل فی فضل السکوت عن کل ما لا یعنینہ (بیروت: دار لکتب العلمیہ)، ص: 241

[24] الغزالی، الامام ابو حامد محمد بن محمد، المتوفی 505ھ، احیاء علوم الدین، جلد، کتاب آفات اللسان، (کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ)، ص: 135

لاتا ہے- منافق کی زبان اس کے دل کے آگے ہوتی ہے جب وہ کسی چیز کا ادارہ کرتا ہے تو اسے اپنی زبان پر لے آتا ہے اور اس کے بارے میں اپنے دل میں غور و فکر نہیں کرتا"-

سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ:

"مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ"[25]

"انسان کے اسلام کی خوبیوں میں سے سب بڑی خوبی یہ ہے کہ لایعنی چیزوں کو چھوڑ دے"-

یعنی بے معنٰی چیزوں اور فضول باتوں کو ترک کر دے- کیونکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ رب کریم نے ملائکہ کرام کی یہ ڈیوٹی لگائی ہے کہ وہ ہر انسان کی بات کو اس کے نامہ اعمال میں محفوظ رکھے- جیسا کہ ارشادِ باری تعالٰی ہے:

"مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ"[26]

"وہ زبان سے کوئی بات نہیں نکالتا مگر یہ کہ ایک محافظ فرشتہ اس کے پاس تیار بیٹھا ہوتا ہے"-

لہٰذا انسان کو ہمیشہ سچ بولنا چاہیے کیونکہ سچ اسے اپنے خالق و مالک کی بارگاہ اقدس سے صدیقین کی معیت و قربت کا شرف بخشے گا اور کامیابی و کامرانی اس کا مقدر بنے گی- اگر انسان سچ سے روگردانی کرے گا تو خود کو کذابوں کی صف میں کھڑا پائے گا-

حضرت عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يُكْتَبَ صِدِّيقًا وَ إِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ كَذَّابًا"[27]

"سچ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے کر جاتی ہے اور انسان سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ عند اللہ سچا لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ برائی کا راستہ دکھاتا ہے اور برائی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے اور انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے"-

حضرت ابو الحوراء شیبان سعدی کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن علیؓ سے پوچھا: آپ نے رسول اللہ (ﷺ) سے کیا چیز یاد کی ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ (ﷺ) کا یہ فرمان یاد کیا ہے کہ:

"دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ، فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِينَةٌ، وَإِنَّ الْكَذِبَ رِيبَةٌ"[28]

"اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے اور اسے اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے، سچائی دل کو مطمئن کرتی ہے اور جھوٹ دل کو بے قرار کرتا اور شک میں مبتلا کرتا ہے"-

گویا صدق بھی ذکر الٰہی کی ایک صورت ہے جس سے سکون قلب ملتا ہے-

حضرت عبادہ بن صامت (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضور نبی (ﷺ) نے فرمایا:

"إِذَا ائْتُمِنْتُمْ لِي سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَضْمَنُ لَكُمُ الْجَنَّةَ: اصْدُقُوا إِذَا حَدَّثْتُمْ وَأَوْفُوا إِذَا وَعَدْتُمْ

---

[25] الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورہ، المتوفی 697ھ، سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء من تکلم بالکلمۃ لیضحک بہ الناس، رقم:2317، (بیروت: دار لکتب العلمیہ) ص:555

[26] سورۃ ق:18

[27] صحیح مسلم، رقم 2607، کتاب البر و الصلۃ، باب قبح الکذب و حسن الصدق و فضلہ، ص 1007

[28] الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورہ، المتوفی 697ھ، سنن الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ و الرقائق و الورع، رقم:2518، (بیروت: دار لکتب العلمیہ) ص:595

وأدوا إذا ائتمنتم واحفظوا فروجكم وغضوا أبصاركم وَ كفوا أيديكم"[29]

"تم مجھے اپنی طرف سے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو تو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں: جب تم بات کرو تو سچ بولو، جب وعدہ کرو تو پورا کرو، جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اسے ادا کرو، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو، اپنی نظریں نیچی رکھو اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم سے) روکو"۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ:

"قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: كُلُّ مَخْمُومِ الْقَلْبِ صَدُوقِ اللِّسَانِ"[30]

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا گیا، کون سا آدمی سب سے بہتر ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ہر صاف دل سچ بولنے والا"۔

یاد رہے کہ جھوٹے شخص سے ملائکہ بھی نفرت کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهِ"

"جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ اس سے ایک میل دور بھاگتا ہے"۔

ہر اہل ایمان کو اللہ رب العزت نے صادقین کی معیت کا حکم فرمایا ہے کہ:

"كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ"[31]

"سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ"۔

انسان کے راہ راست پر استقامت کی دلیل اس کی زبان مہیا کرتی ہے اور بندے کی مقبولیت اور عدم قبولیت کا اندازہ بھی زبان سے لگایا جا سکتا ہے۔ جب زبان اپنی صداقت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو تو پھر یہ حرام کے ایک لقمہ کو بھی پیٹ تک پہنچانے میں مدد نہیں کرتی کیونکہ حرام کا ایک لقمہ بھی انسانی دعا کو 40 دن تک قبولیت سے محروم کر دیتا ہے۔ جیسا کہ امام سیوطی علیہ الرحمہ نے "جامع الاحادیث" میں حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت فرمایا ہے کہ:

"فان الرجل يرفع اللقمة الى فيه من حرام فما يستجاب له دعوة اربعين يوما"

"بے شک آدمی حرام کا ایک لقمہ بھی منہ میں لیتا ہے تو اس کی چالیس دن تک دعا قبول نہیں ہوتی"۔

گویا اکل حلال اور صدق مقال دونوں میں زبان کا کردار موجود ہے اور صادقین کی صحبت کے فیض و تربیت سے دونوں کو درست سمت کی رہنمائی نصیب ہوتی ہے اور ان کی زندگی کا نصب العین بھی یہی ہے کہ انسان کے بطن و باطن کی اصلاح فرما کر ظاہر کو بھی اس قابل بنایا جائے کہ یہ مخلوق اپنے خالق و مالک کو پسند آجائے۔

☆☆☆

[29] التبریزی، العلامہ الشیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب، المتوفی 741ھ، مشکوۃ المصابیح، جلد دوم، کتاب الاداب، الفصل الثالث، رقم:4870 (بیروت: دار لکتب العلمیہ)، ص:197

[30] القزوینی، الحافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید، المتوفی 741ھ، سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الورع و التقوی، رقم:4216 (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، ص684

[31] الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورہ، المتوفی 697ھ، سنن الترمذی، کتاب البر و الصلۃ، باب ما جاء فی الصدق و الکذب، رقم:1972، (بیروت: دار لکتب العلمیہ) ص:481

[32] (التوبہ:119)

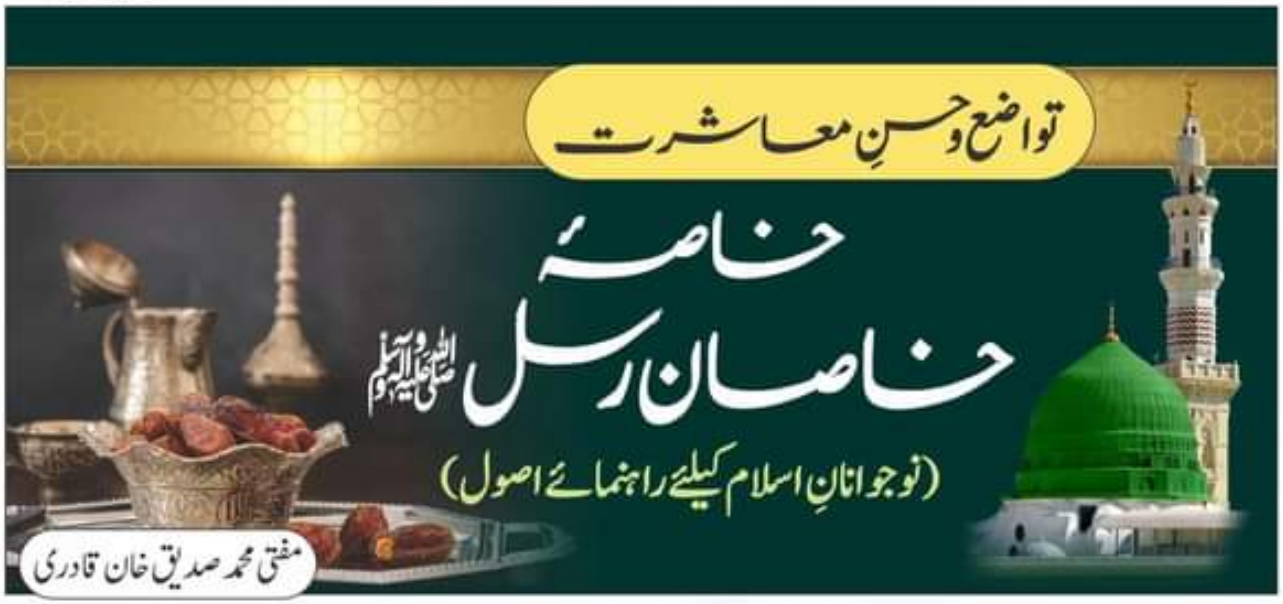

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کو اس کائنات میں بنی نوع انسان کی ہدایت و راہنمائی کے لئے ہادی اعظم بنا کر مبعوث فرمایا- آقا کریم (ﷺ) تمام اوصاف و کمالات اور اخلاق و محاسن کے نہ صرف مظہر اتم ہیں بلکہ ان سب کی تکمیل بھی کرنے والے ہیں- آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق"

"میں تمام مکارم اخلاق کو مکمل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں"-

آپ (ﷺ) کے اخلاق و محاسن کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا گیا کہ آپ کا خلق کیا ہے تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا کہ آپ کا خلق تو قرآن ہے یعنی آپ قرآن پر اتنا عمل کرنے والے تھے گویا کہ آپ قرآن مجسم تھے- گویا کہ آپ کی ذات مبارکہ تمام صفات و کمالات اور اخلاق و محاسن کا سرچشمہ اور منبع تھی- آپ کی سیرت و کردار کا ایک ایک پہلو امت مسلمہ اور نوجوانانِ اسلام کے لئے راہنمائے اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ جن کو اپنا کر آج کا نوجوان نہ صرف اپنے اخلاق و عادات کو سنوار سکتا ہے- بلکہ ایک کامیاب مصلح بن کر معاشرے میں ناپید اخلاقی قدریں زندہ کر کے اصلاح معاشرہ میں ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے- ہم اس مختصر مضمون میں حضور نبی کریم (ﷺ) کی سیرت طیبہ میں سے آپ (ﷺ) کی تواضع و حسن معاشرت جو کہ خاصۂ خاصان رسل ہے اور نوجوانانِ اسلام کے لئے راہنمائے اصول کی حیثیت رکھتا ہے اس کے چند جھروکے پیش کریں گے تاکہ ان کو اپنا کر ہم سب ایک کامیاب اور باوقار زندگی گزار سکیں-

آپ (ﷺ) کی تواضع وانکساری:

ہمارے نبی کریم (ﷺ) کو مقاماتِ قرب میں تواضع کا بہت زیادہ حصہ ملا اور آپ (ﷺ) کی تواضع کے سلسلے میں یہی بات کافی ہے کہ:

"أَنَّهُ خُيِّرَ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ نَبِيًّا مَلِكًا أَوْ نَبِيًّا عَبْدًا فَاخْتَارَ أَنْ يَكُونَ نَبِيًّا عَبْدًا، فَقَالَ لَهُ إِسْرَافِيلُ عِنْدَ ذَلِكَ: فَإِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطَاكَ بِمَا تَوَاضَعْتَ لَهُ أَنَّكَ سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْأَرْضُ عَنْهُ وَأَوَّلُ شَافِعٍ"[1]

"حضور نبی کریم (ﷺ) کو اختیار دیا گیا کہ کیا آپ نبی بادشاہ ہونا پسند کرتے ہیں یا نبی بندہ؟ تو آپ (ﷺ) نے نبی بندہ ہونا پسند فرمایا- اس وقت آپ سے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کی اسی تواضع کی بنا پر اللہ عزوجل قیامت کے دن آپ (ﷺ) کو تمام اولاد آدم کی سرداری مرحمت فرمائے گا اور آپ ہی وہ پہلے شخص ہوں گے جو شفاعت کریں گے"-

[1] (الشفا بتعریف حقوق المصطفٰے، جز:1، ص:130)

حضرت ابی امامہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ:

"خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ (ﷺ) مُتَوَكِّئًا عَلَى عَصًا، فَقُمْنَا لَهُ، فَقَالَ: لَا تَقُومُوا كَمَا يَقُومُ الْأَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، وَقَالَ: إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ، وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ"[2]

"حضور نبی کریم (ﷺ) عصاء مبارک پر ٹیک لگائے جب ہم پر تشریف لائے تو ہم آپ کے لئے کھڑے ہو گئے- آپ (ﷺ) نے فرمایا عجمیوں کی طرح نہ کھڑے ہو کہ وہ ایک دوسرے کی یونہی تعظیم کرتے ہیں اور فرمایا: میں ایک بندہ ہوں- اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے"-

"وَكَانَ يَرْكَبُ الْحِمَارَ، وَيُرْدِفُ خَلْفَهُ، وَيَعُودُ الْمَسَاكِينَ، وَيُجَالِسُ الْفُقَرَاءَ، وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ، وَيَجْلِسُ بَيْنَ أَصْحَابِهِ مُخْتَلِطًا بِهِمْ، حَيْثُ مَا انْتَهَى بِهِ الْمَجْلِسُ جَلَسَ"[3]

"حضور نبی کریم (ﷺ) دراز گوش پر سوار ہوتے تو کسی کو اپنے پیچھے بٹھا لیا کرتے تھے اور مسکینوں کی عیادت کرتے اور غریبوں میں بیٹھ جایا کرتے تھے اور غلاموں کی دعوت قبول کرتے اور اپنے صحابہ میں مل کر اس طرح بیٹھ جایا کرتے کہ جہاں جگہ ملتی"-

"حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتْ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ"[4]

"مجھے اتنا نہ بڑھاؤ جتنا نصاریٰ نے حضرت عیسی ابن مریم (علیہ السلام) کو بڑھایا (کہ انہوں نے خدا کا بیٹا مان لیا معاذ اللہ) میں تو بندہ ہی ہوں تو مجھ کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی کہو"-

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے مروی ہے کہ:

"حضور نبی کریم (ﷺ) اپنے گھر میں اپنے اہل خانہ کا کام میں ہاتھ بٹاتے اور اپنے کپڑوں کو صاف فرماتے اور اپنی بکری کا دودھ دوہتے اور اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے، اپنی نعلین گانٹھتے، اپنی خدمت آپ کرتے اور بازار سے اپنا سامان خود لاتے تھے"-[5]

"جب فتح مکہ ہوا تو آپ (ﷺ) مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ اس میں داخل ہوئے؛

"إِنَّ رَسُولَ اللهِ (ﷺ) لِيَضَعَ رَأْسَهُ تَوَاضُعًا لِلهِ حِينَ رَأَى مَا أَكْرَمَهُ اللهُ بِهِ مِنَ الْفَتْحِ، حَتَّى إِنَّ عُثْنُونَهُ لَيَكَادُ يَمَسُّ وَاسِطَةَ الرَّحْلِ"[6]

"تو آپ نے اللہ عزوجل کے حضور میں عاجزی و تواضع سے سر کو پالان پر جھکا دیا تھا یہاں تک کہ قریب تھا اس کی اگلی لکڑی کے سرے پر آپ کا سر لگ جائے"-

ایک عورت حضور نبی کریم (ﷺ) کے پاس حاضر ہوئی جس کی عقل میں کچھ خرابی تھی، اس نے کہا:

"يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً، فَقَالَ: يَا أُمَّ فُلَانٍ انْظُرِي أَيَّ السِّكَكِ شِئْتِ حَتَّى أَقْضِيَ لَكِ حَاجَتَكِ فَخَلَا مَعَهَا فِي بَعْضِ الطُّرُقِ، حَتَّى فَرَغَتْ مِنْ حَاجَتِهَا"[7]

"اس نے کہا مجھے آپ (ﷺ) سے کچھ کام ہے آپ نے فرمایا مدینہ طیبہ کی جس گلی میں چاہے بیٹھ جا میں تیرے پاس بیٹھ جاؤں گا حتیٰ کہ میں تیری حاجت کو پورا کردوں- چنانچہ آپ اس کے ساتھ ایک راستہ میں تشریف فرما ہوئے حتی کہ وہ اپنی حاجت سے فارغ ہو گئی- اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کچھ آپ کی بہت زیادہ تواضع کی وجہ سے ہوا"-

[2] (ایضا)
[3] (عیون الاثر، ج:2، ص:402)
[4] (صحیح البخاری، ج:4، ص:167)
[5] (عیون الاثر، ج:2، ص:402)
[6] (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ج:2، ص:405)
[7] (صحیح مسلم، ج:4، ص:1812)

حضرت عبد اللہ بن حمساء (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

مَیں نے حضور نبی کریم (ﷺ) کی بعثت سے پہلے آپ سے ایک سودا کیا اور آپ کی کچھ رقم باقی تھی میں نے وعدہ کیا کہ فلاں جگہ آپ کے پاس حاضر ہوں گا لیکن میں بھول گیا حتی کہ تین دن گزر گئے۔ مجھے یاد آیا تو آپ اسی جگہ پر تھے آپ نے فرمایا تم نے مجھے مشقت میں ڈالا میں تین دن سے تمہارا یہاں منتظر ہوں"۔[8]

حضرت ابو قتادہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ:

"نجاشی کا وفد آیا تو حضور نبی کریم (ﷺ) خود ان لوگوں کی خدمت کرنے لگے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! ہم آپ کی جگہ کام کرتے ہیں اور کافی ہیں، آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے ہمارے ساتھیوں کی عزت و احترام کیا تھا تو میں ان کو بدلہ دینا پسند کرتا ہوں"۔[9]

جس طرح رسول اکرم (ﷺ) نے اپنے عمل و کردار سے امتِ مسلمہ اور نوجوانانِ اسلام کو تواضع اختیار کرنے کا درس دیا ہے، تو اسی طرح آپ نے اپنے اقوال و فرامین سے بھی نہ صرف تواضع اختیار کرنے کا حکم دیا بلکہ اس کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔

آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ"۔[10]

"جو شخص معاف کرتا ہے، اللہ سبحانہ، اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو شخص اللہ رب العزت کے لئے تواضع (عاجزی) کرتا ہے، اللہ سبحانہ اس کا مقام بلند کرتا ہے"۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

"طُوبَى لِمَنْ تَوَاضَعَ مِنْ غَيْرِ مَنْقَصَةٍ، وَذَلَّ فِي نَفْسِهِ مِنْ غَيْرِ مَسْكَنَةٍ، وَأَنْفَقَ مَالًا جَمَعَهُ فِي غَيْرِ مَعْصِيَةٍ، وَرَحِمَ أَهْلَ الذِّلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ، وَخَالَطَ أَهْلَ الْفِقْهِ وَالْحِكْمَةِ"۔[11]

"وہ شخص خوشحال ہے جو محتاجی کی حالت نہ ہونے کے باوجود تواضع کرتا ہے اور جو مال جمع کیا اس کو گناہ سے ہٹ کر خرچ کرتا ہے کمزوروں اور مسکینوں پر رحم کھاتا ہے اور فقہ و حکمت والوں کی ہم نشینی اختیار کرتا ہے"۔

"اَلْكَرَمُ اَلتَّقْوٰى، وَالشَّرَفُ اَلتَّوَاضُعُ، وَالْيَقِيْنُ اَلْغِنٰى"۔[12]

"کرم، تقویٰ ہے، شرف، تواضع ہے اور یقین مالداری ہے"۔

"إِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللهُ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعِ"۔[13]

"جب کوئی بندہ تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ سبحانہ سے ساتویں آسمان تک بلندی عطا فرماتا ہے"۔

"إِنَّ التَّوَاضُعَ لَا يَزِيدُ الْعَبْدَ إِلَّا رِفْعَةً فَتَوَاضَعُوا يَرْفَعْكُمُ اللهُ"۔[14]

"تواضع بندے کو برتری عطا کرتی ہے بس تم تواضع اختیار کرو تاکہ اللہ سبحانہ تم پر رحم فرمائے"۔

آپ (ﷺ) کا حسنِ معاشرت:

رسول اللہ (ﷺ) لوگوں سے الفت فرماتے اور ان سے نفرت نہ کرتے تھے، آپ ہر قوم کے با اخلاق فرد کی تکریم کرتے اور ان کو ان پر حاکم مقرر کرتے (بد خُلق) لوگوں کو خوفِ خدا یاد دلاتے، اپنے اصحاب کی نگرانی فرماتے اور اپنے ہمنشین کو اس کا حصہ مرحمت فرماتے۔ حاضرین مجلس میں کوئی یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ کوئی اور بھی اس سے بڑھ کر آپ کے نزدیک مکرم ہے جو شخص بھی آپ کے ساتھ بیٹھتا یا وہ ضرورت سے زیادہ قریب ہو جاتا تو حضور نبی کریم (ﷺ) صبر فرماتے۔ یہاں تک کہ وہ خود اٹھ کر چلا جاتا اور جو شخص بھی اپنی حاجت کے لئے آپ سے سوال کرتا تو اس کو دے کر بھیجتے یا اس سے نرم بات کرتے۔ الغرض! آپ (ﷺ) کا اخلاق و حسن معاشرت اس قدر وسیع تھا کہ وہ تمام لوگوں پر محیط تھا۔ گویا آپ سب کے باپ (بلکہ اس سے بڑھ کر) تھے اور تمام مسلمان آپ (ﷺ) کے نزدیک حق میں مساوی تھے۔

---

[8] (المواھب اللدنیۃ، ج:2، ص:116)
[9] (دلائل النبوۃ، ج:2، ص:307)
[10] (صحیح مسلم، ج:4، ص:2001)
[11] (السنن الکبریٰ، ج:4، ص:306)
[12] (کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ج:3، ص:90)
[13] (کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ج:3، ص:110)
[14] (جامع بیان العلم وفضلہ، ج:1، ص:562)

حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) حضور نبی کریم (ﷺ) کے وصف جمیل میں فرماتے ہیں کہ:

"آپ لوگوں میں زیادہ کشادہ سینہ اور سب سے بڑھ کر صادق القول اور سب سے زیادہ نرم طبیعت والے اور زیادہ اچھا برتاؤ کرنے والے تھے"۔[15]

ابن ابی حالہ فرماتے ہیں کہ:

"آپ (ﷺ) ہمیشہ خوش رُو، خوش خُلق اور نرم دل رہتے اور آپ سے کبھی بھی بداخلاقی، بدکلامی، بازار میں چلا کر بولنا، بدگوئی اور عیب چینی صادر نہ ہوئی اور نہ آپ خواہ مخواہ کسی کی مدح سرائی کرتے جس چیز کو نہ چاہتے اس سے تغافل کرتے اور کوئی بھی آپ (ﷺ) سے مایوس نہ ہوتا"۔[16]

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

"لقد خدمتُ رسُولَ اللهِ عشرَ سِنِينَ فواللهِ ما قالَ لی أُفٍّ قَطُّ، ولم يَقُلْ لِشَيْءٍ فَعَلتُهُ: لِمَ فَعَلتَ كذا؟ ولا لِشَيْءٍ لَمْ أفعَلْه: ألا فَعَلتَ كذا؟"[17]

"میں دس (10) سال رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر رہا آپ (ﷺ) نے کبھی بھی مجھ سے اُف نہ فرمایا اور نہ کبھی میرے کسی کام کو کہا کہ یہ کیوں کیا اور نہ کسی کو نہ کرنے پر یہ فرمایا: یہ کیوں نہ کیا؟"

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ:

"مَا كَانَ أَحْسَنُ خُلُقًا مِنْ رَسُولِ اللهِ (ﷺ) مَا دَعَاهُ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ وَلَا مِنْ أَهْلِهِ إِلَّا قَالَ لَبَّيْكَ"[18]

"اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ اخلاق میں حضور نبی کریم (ﷺ) سے بڑھ کر کوئی نہ تھا اور آپ کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) یا گھر والوں میں سے کوئی بھی حضور کو بلاتا تو آپ (ﷺ) لبیک ہی فرماتے"۔

حضرت جریر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

"مَا حَجَبَنِي النَّبِيُّ (ﷺ) مُنْذُ أَسْلَمْتُ، وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي"[19]

"جب سے مَیں مسلمان ہوا ہوں رسول اللہ (ﷺ) نے مجھے کبھی بھی نہ روکا اور جب بھی مجھے دیکھتے تو (ﷺ) آپ مسکرا دیتے"۔

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ (ﷺ) سے جس نے کان میں بات کی تو آپ اس وقت اس کی سماعت فرماتے جب تک وہ خود علیحدہ نہ ہو جاتا اور جو کوئی بھی آپ کا دستِ مبارک پکڑ لیتا آپ اس سے اس وقت تک ہاتھ نہ چھڑاتے جب تک وہ خود نہ چھوڑ دیتا اور کبھی یہ نہ دیکھا گیا کہ آپ اپنے ہم نشین سے آگے گھٹنے کر کے بیٹھیں ہوں"۔[20]

"حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ:

"كَانَ رَسُولُ اللهِ (ﷺ) إِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِينَةِ بِآنِيَتِهِمْ فِيهَا الْمَاءُ، فَمَا يُؤْتَى بِإِنَاءٍ إِلَّا غَمَسَ يَدَهُ فِيهَا، فَرُبَّمَا جَاءُوهُ فِي الْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ، فَيَغْمِسُ يَدَهُ فِيهَا"[21]

رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں نماز فجر کے بعد مدینہ منورہ کی باندیاں پانی سے بھرا برتن لاتیں اور حضور نبی کریم (ﷺ) ہر ایک برتن میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے اور بسا اوقات سردی کا موسم بھی ہوتا تھا۔(لوگ اس سے برکت حاصل کرتے)"۔

"آقا کریم (ﷺ) کے پاس اگر کوئی آدمی اس حالت میں آتا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تو آپ نماز کو مختصر

---

[15](شرح السنۃ، ج:13، ص:22)

[16](شعب الایمان، ج:3، ص:24)

[17](مسند أبي يعلى، ج:6، ص:104)

[18](دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصبہانی، ج:1، ص:181)

[19](صحیح البخاری، ج:4، ص:65)

[20](سنن أبي داود، ج:4، ص:251)

[21](صحیح مسلم، ج:4، ص:1812)

کر کے اس سے آنے کا مطلب پوچھتے-جب آپ اس سے فارغ ہو جاتے تو پھر نماز شروع کر دیتے"-[22]

حضرت عبد اللہ بن حارث (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

"مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُولِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)"[23]

"میں نے کسی کو حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بڑھ کر تبسم فرماتے نہ دیکھا"-

حضرت عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

"غزوہ بدر کے موقع پر تین تین مجاہدوں کے لئے ایک ایک اونٹ تھا- چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ اور ابو لبابہ انصاری رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عدیل تھے جب حضور کے اترنے کی باری آتی تو دونوں عرض کرتے کہ آپ نہ اتریں- ہم آپ کے بدلے پیدل چلتے ہیں مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے کہ تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں تمہاری نسبت اجر و ثواب سے زیادہ بے نیاز نہیں ہوں"-[24]

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ:

"لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سَبَّابًا، وَلَا فَحَّاشًا، وَلَا لَعَّانًا، كَانَ يَقُولُ لِأَحَدِنَا عِنْدَ الْمَعْتِبَةِ: مَا لَهُ تَرِبَ جَبِينُهُ"[25]

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فحش کہنے والے نہ تھے اور نہ کسی پر لعنت کرنے والے اور نہ ہی گالی دینے والے تھے-

جب آپ کسی پر عتاب فرماتے تو یوں ارشاد فرماتے: اسے کیا ہوا، اس کی پیشانی خاک آلود ہو"-

"ایک سفر میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کھانے کے لئے ایک بکری درست کر لو- ایک نے کہا اس کا ذبح کرنا میرے ذمے ہے دوسرے نے کہا کھال اتارنا میرے ذمہ ہے- ایک اور بولا پکانا میرے ذمے ہے آپ نے فرمایا میں جانتا ہو تم کر سکتے ہو لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اپنے آپ کو تم سے ممتاز کروں کیونکہ خدا تعالیٰ اس بندے کو ناپسند فرماتا ہے جو اپنے ساتھیوں سے ممتاز بنتا ہے اس کے بعد آپ لکڑیاں جمع کر کے لائے"-[26]

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں کی دل جوئی کے لئے کبھی کبھی خوش طبعی بھی فرمایا کرتے تھے مگر وہ متضمن دروغ نہ ہوتی تھی-

"ایک روز ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے سواری عنایت کیجئے تا کہ میں اس پر سوار ہو جاؤں- آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا وہ بولا میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ اونٹنیاں ہی تو اونٹ جنتی ہیں یعنی ہر ایک اونٹ اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے- اس میں تعجب کیا ہے"-[27]

"اسی طرح ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت نے جو قرآن پڑھا کرتی تھی حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا کہ آپ دعا کریں کہ میں بہشت میں داخل ہوں آپ نے اس سے فرمایا کہ کوئی بوڑھی عورت بہشت میں داخل نہ ہو گی- وہ پریشان ہو گئی اور اس نے اس کا سبب پوچھا- تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جواب دیا کیا تو قرآن نہیں پڑھتی- اس میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

"اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا"[28]

"بیشک ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر پیدا کیا اور ان کو کنواریاں بنایا"-[29]

---

[22] (الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، ج:1، ص:122)
[23] (الشمائل المحمدیۃ، ج:1، ص:186)
[24] (مشکوٰۃ المصابیح، ج:2، ص:1145)
[25] (صحیح البخاري، ج:8، ص:13)
[26] (المواھب اللدنیۃ، ج:2، ص:114)
[27] (سنن ترمذی، ج:4، ص:357)
[28] (الواقعہ:35-36)
[29] (شرح السنۃ، ج:13، ص:183)

یعنی آپ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ عورتیں جنت میں جوان ہو کر داخل ہوں گیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آقا کریم (ﷺ) نے اپنے اقوال اور افعال و اعمال سے ہمیں تواضع و حسن معاشرت کا درس دیا ہے ہم سب کو چاہیے کہ آقا کریم (ﷺ) کی سیرت طیبہ کے اس عظیم پہلو کو اپناتے ہوئے اپنے اندر تواضع و انکساری اور حسن معاشرت پیدا کریں۔ مسکینوں اور بیماروں کی عیادت کریں، غریبوں اور ناداروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور ان کے ساتھ بیٹھا کریں۔ اگر وہ دعوت دیں تو خوش اسلوبی سے ان کی دعوت کو قبول کریں اگر کسی مجلس میں جائیں تو جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائیں اپنے اہل خانہ کے کام کاج میں ہاتھ بٹائیں۔ اپنے متعلقہ کام خود کیا کریں۔ حسن معاشرت اختیار کرتے ہوئے لوگوں سے سچ بولیں، نرم مزاج رکھیں۔ لوگوں سے اچھا برتاؤ رکھیں، کسی سے بدکلامی اور کسی کی عیب جوئی نہ کریں، ہمیشہ خوش رو اور خوش اخلاق رہیں۔ اپنے خادموں کو مت جھڑکیں اور ان کے ساتھ ہمیشہ اچھا برتاؤ رکھیں اپنے ساتھیوں سے عدل و انصاف سے کام لیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو تواضع و انکساری کرتا ہے نہ صرف دنیا اس کو دوست رکھتی ہے بلکہ اس کی وجہ سے اس کا مقام و مرتبہ اور سر بلند ہو جاتا ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ تواضع کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

دلا! گر تواضع کنی اختیار
شود خلق دنیا ترا دوست دار

اے دل اگر تو عاجزی اختیار کرے تو دنیا کی مخلوق تجھے دوست رکھنے والی ہو گی۔

تواضع کند مردرا سرفراز
تواضع بود سروراں را طراز

عاجزی بندے کے سر کو بلند کر دیتی ہے، عاجزی سرداروں کی زیب و زینت ہے۔

تواضع کند، ہوشمند گزیں
نہد شاخ پر میوہ سر برزمین

عقل مند عاجزی اختیار کرتا ہے کیونکہ میوے سے لدی ہوئی شاخ اپنا سر زمین پر رکھ دیتی ہے۔

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوی اوست

بلند گردن (عالی مرتبت) لوگوں کی عاجزی اچھی ہے اگر بھکاری عاجزی کرے تو وہ اس کی عادت ہے۔

شیخ احمد بن محمد القسطلانی نے "المواہب اللدنیہ" میں بڑی پیاری بات لکھی ہے کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے:

"بندہ حقیقت تواضع تک اسی وقت رسائی حاصل کر سکتا ہے جب نور مشاہدہ کی چمک اس کے دل میں پائی جائے۔ تو اس وقت نفس پگھلتا ہے۔ اس کے پگھلنے سے اس کا دل تکبر اور خود پسندی کے کھوٹ سے صاف ہو جاتا ہے اور دل سے تمام خرابیوں کے آثار مٹ جاتے ہیں۔ اس وقت نفس حق اور مخلوق کے لئے نرم اور متواضع ہو جاتا ہے"۔

☆☆☆

تزکیۂ نفس
منہجِ دعوتِ رسول ﷺ کی روشنی میں

مفتی محمد اسماعیل خان نیازی

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى"[1]

"بیشک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا(یعنی اپنا تزکیہ کر لیا)"۔

ایک اور مقام پہ اللہ پاک نے نفس کی حالتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۙ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۙ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۙ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۙ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۙ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۙ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۙ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۙ"[2]

"سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی قسم-اور چاند کی قسم جب وہ سورج کی پیروی کرے (یعنی اس کی روشنی سے چمکے)اور دن کی قسم جب وہ سورج کو ظاہر کرے (یعنی اسے روشن دکھائے)-اور رات کی قسم جب وہ سورج کو (زمین کی ایک سمت سے) ڈھانپ لے-اور آسمان کی قسم اور اس (قوت) کی قسم جس نے اسے (اذنِ الٰہی سے ایک وسیع کائنات کی شکل میں) تعمیر کیا-اور زمین کی قسم اور اس (قوت) کی قسم جو اسے (امرِ الٰہی سے سورج سے کھینچ دور) لے گئی-اور انسانی جان کی قسم اور اسے ہمہ پہلو توازن و درستگی دینے والے کی قسم-پھر اس نے اسے اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (کی تمیز) سمجھا دی-بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کر لیا(اور اس میں نیکی کی نشو و نما کی)-اور بے شک وہ شخص نامراد ہو گیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کر لیا(اور نیکی کو دبا دیا)-

یہاں اگر مذکورہ آیات مبارکہ میں غور کریں-تو قاری پہ نفس کے تزکیے کی اہمیت بالکل واضح ہو جائے گی کہ اللہ عزوجل نے نہ صرف نفس کی قسم اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا"

"اور قسم ہے نفس انسانی کی اور اس کی استوار کرنے والی ذات کی"۔

بلکہ آٹھ قسمیں کھانے کے بعد ارشاد فرمایا:

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا"

ان مذکورہ آیات مبارکہ کے علاوہ کئی مقامات پہ اللہ عزوجل نے تزکیہ کی اہمیت و فضیلت کو بیان فرمایا ہے-جیسا کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب کریم رؤف رحیم (ﷺ) کی تشریف آوری و بعثت مبارک کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ"[3]

---

[1](الاعلیٰ:14) [2](الشمس:1-10) [3](البقرہ:151)

"اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول (ﷺ) بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفساً و قلباً) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت و حقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے"۔

اس آیت مبارک کی روشنی میں یہ بات معلوم ہو گئی کہ سیدی رسول اللہ (ﷺ) کی جلوہ گری کا مقصد جہاں اپنے غلاموں اور امتیوں کو علم و حکمت اور قرآن و سُنت کی تعلیم کی روشنی سے منور کرنا تھا وہاں انہیں تزکیہ جیسی بے بہا دولت سے بھی نوازنا تھا- جیسا کہ "یُزَکِّیْکُمْ" کے الفاظ مبارک سے ظاہر و عیاں ہے اور اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ تیرہ سالہ مکی دور مبارک میں مکمل توجہ ہی تزکیہ نفس پر تھی اور یہ سیدی رسول اللہ (ﷺ) کی نظرِ رحمت اور نظرِ کیمیا ہی کا اثر تھا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے ہمیشہ نفع و نقصان سے بالاتر ہو کر محض اللہ عزوجل کی رضا کے مطابق فیصلے کیے یہاں تک کہ مکی دور میں جہاد بالسیف (تلوار سے جہاد) کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے ظلم و ستم پہاڑ تو سہے لیکن پیکرِ تسلیم و رضا بن کر سجدہ شکر بجالاتے رہے- صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی اس مالی بے رغبتی اور گھر بار اور اولاد کی پرواہ کیے بغیر اللہ عزوجل اور محبوب مکرم (ﷺ) سے والہانہ عشق و محبت کو دیکھ کر حقیقت سے نا آشنا کفار نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو معاذ اللہ نا سمجھی کا طعنہ دیتے ہوئے کہا جس کو اللہ عزوجل نے یوں بیان فرمایا:

"وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ"[4]

"اور جب ان سے کہا جائے ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہیں کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں سنتا ہے وہی احمق ہیں مگر جانتے نہیں"۔

تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب کی اہمیت کے پیشِ نظر سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے ہر لمحہ و ہر لحظہ تزکیہ نفس کو پیشِ نظر رکھا- بلکہ اس کے باقی احکام شریعت پہ فوقیت و اہمیت دی، جیسا کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم (ﷺ) جہاد سے واپس تشریف لائے تو آپ (ﷺ) نے اپنے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے ارشاد فرمایا:

"اَتَیْتُمْ مِنَ الْجِھَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِھَادِ الْاَکْبَرِ"

"تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو"۔

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ)! جہاد اکبر کیا چیز ہے؟ تو رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"مُجَاھِدَۃُ النَّفْسِ"[5]

"(وہ) نفس کا مجاہدہ کرنا ہے"۔

سیدی رسول اللہ (ﷺ) کی توجہ کا مکمل مرکز ہی تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب ہونے کی وجہ سے آپ (ﷺ) وقتاً فوقتاً اپنے غلاموں کی ظاہری و قلبی کیفیت کا نہ صرف ملاحظہ فرماتے بلکہ اس کے بارے دریافت بھی فرماتے جیسا کہ حضرت حارث بن مالک انصاری (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ وہ حضور نبی کریم (ﷺ) کے پاس سے گزرے، تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"اے حارث! تو نے کیسے صبح کی؟ انہوں نے عرض کیا: میں نے سچے مومن کی طرح یعنی (حقیقت ایمان کے ساتھ) صبح کی- آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: اے حارث دیکھ تو کیا کہہ رہا ہے؟" حضور نبی کریم (ﷺ)

[4] (البقرۃ:13)

[5] ابن بطال، علي بن خلف بن عبد الملک رحمہ اللہ (المتوفی: 449ھ)، شرح صحیح البخاری لابن بطال، (السعودیۃ، الریاض، مکتبۃ الرشید، الطبعۃ: الثانیۃ، 1423ھ))، باب من جاھد نفسہ في طاعۃ اللہ، ج:10، ص:210

نے ارشاد فرمایا: یقیناً ہر ایک شے کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے سو تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) میرا نفس دنیا سے بے رغبت ہو گیا ہے اور اسی وجہ سے اپنی راتوں میں بیدار اور دن میں (دیدارِ الٰہی کی طلب میں) پیاسا رہتا ہوں اور حالت یہ ہے گویا میں اپنے رب کے عرش کو سامنے دیکھ رہا ہوں اور گویا کہ میں، جنت میں اہل جنت کو ایک دوسرے سے ملتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور گویا کہ میں، دوزخ میں دوزخیوں کو تکلیف سے چلاتے دیکھ رہا ہوں‘‘۔ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

’’يَا حَارِثُ عَرَفْتَ فَالْزَمْ ثَلَاثًا‘‘[6]

’’اے حارث! تو نے (حقیقت ایمان کو) پہچان لیا، اب (اس سے) چمٹ جا- یہ کلمہ آپ (ﷺ) نے تین مرتبہ فرمایا‘‘۔

یہ سیدی رسول اللہ (ﷺ) کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو سیدی رسول اللہ (ﷺ) کی نگاہِ ناز ورفاقت مبارک سے جو تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب نصیب ہوا وہ اس کو متاعِ بے بہا سمجھ کر دنیا کی ہر چیز پہ اس کو فوقیت دیتے اور نہ صرف اس کی حفاظت کرتے بلکہ ہر لمحہ اس میں اضافے کے خواہش مند رہتے- جیسا کہ روایت مبارک میں ہے کہ:

’’حضرت حنظلہ (رضی اللہ عنہ) (ایک دن ایک خاص احتسابی کیفیت میں سوچتے سوچتے رونے لگے اور اسی حالت میں) سیدنا حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس سے گزرے تو رو رہے تھے تو حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اے حنظلہ تمہیں کیا ہوا؟ حضرت حنظلہ (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا: ’’اے ابو بکر! حنظلہ منافق ہو گیا ہے‘‘۔

’’حضرت حنظلہ (رضی اللہ عنہ) بیان فرماتے ہیں ہم حضور نبی کریم (ﷺ) کی مجلس مبارک میں ہوتے ہیں اور آپ (ﷺ) ہم سے دوزخ وجنت کا ذکر فرماتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں پھر جب ہم اپنی حرم اور مال واسباب کی طرف لوٹتے ہیں تو اکثر باتیں بھول جاتے ہیں- حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے یہ ساری بات سن کر فرمایا: اللہ کی قسم! میرا بھی یہی حال ہے- (آؤ) میرے ساتھ حضور نبی کریم (ﷺ) کے پاس چلو‘‘-

حضرت حنظلہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں پس ہم دونوں حضور رسالت مآب (ﷺ) کی بارگاہ مبارک میں چلے گئے- پس جب رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے غلام کو دیکھا تو ارشاد فرمایا:

’’اے (میرے) حنظلہ تجھے کیا ہوا؟

حضرت حنظلہ عرض کی ’’یارسول اللہ (ﷺ)! حنظلہ منافق ہو گیا‘‘-

(اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے عرض کرتے ہیں)

’’یارسول اللہ (ﷺ)! جب ہم آپ (ﷺ) کے پاس ہوتے ہیں اور آپ (ﷺ) ہمیں وعظ و نصیحت میں جنت ودوزخ کا ذکر فرماتے ہیں‘‘-

’’(ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا کہ ان دونوں کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں‘‘-

’’اور جب ہم واپس لوٹتے ہیں اور بیویوں اور مال واسباب میں مصروفیت کی وجہ سے بہت کچھ بھول جاتے ہیں (تو وہ کیفیت باقی نہیں رہتی)‘‘-

حضرت حنظلہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ آقا کریم (ﷺ) نے میری ساری بات تفصیل سے سنی اور پھر ارشاد فرمایا:

’’لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلَى الْحَالِ الَّذِيْ تَقُوْمُوْنَ بِهَا مِنْ عِنْدِيْ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ فِيْ مَجَالِسِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ وَعَلٰى فُرُشِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً‘‘[7]

يَا رَسُوْلَ اللهِ اُنْظُرْ حَالَنَا	يَا حَبِيْبَ اللهِ اِسْمَعْ قَالَنَا
اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارے حال پر نظر فرمایئے	اے اللہ کے حبیب ہماری فریاد سنیئے
اِنَّنِيْ فِيْ بَحْرِ هَمٍّ مُّغْرَقٌ	خُذْ يَدِيْ سَهِّلْ لَنَا اَشْكَالَنَا
میں گناہوں کے سمندر میں غرق ہو چکا ہوں	میرا ہاتھ تھامئے اور مشکلات حل فرمایئے

[6] الطبراني، سليمان بن أحمد، المعجم الكبير، (مكتبة ابن تيمية - القاهرة الطبعة: الثانية)، باب: الحارث بن مالك الأنصاري رضي الله تعالى عنه، رقم الحديث: 3367، ج: 03، ص: 266

[7] الترمذي، محمد بن عيسى، سنن الترمذي، ایڈیشن دوم، (الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر (1395ھ)، أبواب صفة القيامة، ج04، ص: 666، رقم الحديث: 2514

"اگر تم اسی حال پر باقی رہو جس حال میں میرے پاس ہوتے ہو تو فرشتے تمہاری مجلسوں، بستروں اور راستوں میں تم سے ہاتھ ملائیں لیکن اے حنظلہ! وقت وقت کی بات ہے"۔

ان روایات مبارکہ سے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کی اہمیت مخفی نہیں رہتی مزید برآں تزکیہ نفس و تصفیہ کی اہمیت سیدی رسول اللہ (ﷺ) کے ان فرامین مبارکہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت فضالہ بن عُبَید (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے حجۃ الوداع کے موقع پہ ارشاد فرمایا:

"اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللهِ"[8]

"مجاہد وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا ہے"۔

حضرت محمد بن کعب (رضی اللہ عنہ) روایت بیان فرماتے ہیں:

"إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا فَقَّهَهُ فِي الدِّينِ، وَزَهَّدَهُ فِي الدُّنْيَا، وَبَصَّرَهُ عَيْبَهُ فَمَنْ أُوتِيَ هَذَا فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ"[9]

"جب اللہ پاک کسی بندے کے بارے میں بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو دین کی فہم عطا فرماتا ہے۔ دنیا میں زہد عطا فرماتا ہے اور اسے اپنے عیوب پہ مطلع فرماتا ہے۔ پس جس (خوش قسمت) کو یہ چیزیں عطا کی گئی اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا کی گئی"۔

انسانی بدن میں دل کو اہم مقام حاصل ہے اس کے تصفیہ پہ پورے بدن کی اصلاح کا دارومدار ہے جیسا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلَحَتْ، صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ، فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ"[10]

"خبردار جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہے تو سارا جسم صحیح ہے اور اگر وہ فاسد تو سارا جسم فاسد ہے خبردار وہ دل ہے"۔

ایک مقام پہ سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے دل کے تصفیہ کی طرف رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) حضور نبی کریم (ﷺ) سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللهِ"

"ہر چیز کو صاف کرنے والا کوئی نہ کوئی آلہ ہوتا ہے اور دلوں کو صیقل کرنے کے لیے اللہ پاک کا ذکر ہے"۔

اس حدیث مبارک کی تشریح میں ملا علی قاری (رحمۃ اللہ علیہ) رقم طراز ہیں کہ:

"ہر چیز جب اس پہ زنگ چڑھ جائے تو اس کو حقیقی یا مجازی طور پر صیقل یعنی روشن، صاف، اس کا تزکیہ اور تصفیہ کرنے کے لیے امام ابن حجر عسقلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مطابق کوئی آلہ ہوگا جس کے ذریعے اس کا زنگ اترے گا اور اس کی میل کچیل دور ہوگی اور دلوں کو صیقل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ کیونکہ دل سے اللہ عزوجل کے ذکر کے ذریعے اغیار کا غبار اترتا ہے اور دل (انوارِ الٰہیہ) کے آثار کا مطالعہ کرنے کا آئینہ بن جاتا ہے"۔[11]

[8] احمد بن محمد بن حنبل، مسند الإمام أحمد بن حنبل، (بیروت، مؤسسة الرسالة، 1421ھ)، باب: مُسْنَدُ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم الحدیث: 23958، ج: 39، ص: 381۔

[9] ابن أبي شيبة، أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان، الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار (الناشر: مكتبة الرشد، الرياض)، كِتَابُ الْفَرَائِضِ، ج: 6، ص: 240، رقم الحدیث: 31049

[10] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ایڈیشن اولی، (دار: طوق النجاۃ، 1422ھ)، کتاب الایمان، ج 01، ص: 20، رقم الحدیث: 52

[11] مرقاۃ المفاتیح، باب: ذِكْرِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَالتَّقَرُّبِ إِلَيْهِ

خلاصہ کلام:

حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ بیٹھ جاتا ہے گویا گناہ کے اثرات سے دل میلے ہوتے ہیں اور گناہوں سے پاک ہونے کا مطلب ہے دل کا پاک ہونا، اسی کو تو صوفیاء طہارتِ باطنی کہتے ہیں اور قرآن اس کو تزکیہ کا نام دیتا ہے- یہ عملِ تصوف (طہارت باطنی) یعنی تزکیہ نفس اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اسے انبیاء کرام (علیہم السلام) کے فرائضِ منصبی میں شامل فرمایا ہے اور بعثت محمدی (ﷺ) سے قبل انبیاء کرام (علیہم السلام) کے نزدیک تزکیہ نفس کی قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) جب بارگاہ صمدیت میں بعثتِ محمدی (ﷺ) کے لئے دعا مانگتے ہیں تو کس انداز سے دعا مانگتے ہیں اور جس علم کے ضمن میں اس کو موضوعِ بحث بنایا جاتا ہے اس کو علم تصوف کہتے ہیں اور اسی تصوف کے بارے میں الشیخ الکبیر حضور شہنشاہ بغداد محبوب سُبحانی، شہبازِ لامکانی سیدنا حضور الشیخ عبد القادر الجیلانی الحسنی و الحسینی (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:

"وَ لَمْ يُسَمِّ اَهْلُ التَّصَوُّفِ اِلَّا لِتَصْفِيَةِ بَاطِنِهِمْ"[12]

"صوفیا کو ان کے باطن کی صفائی کی وجہ سے اہل تصوف کہا جاتا ہے"-

سلطان العارفین برہان الواصلین حضرت سخی سلطان باھو صاحب (قدس اللہ سرہٗ) ارشاد فرماتے ہیں:

"تصوف دل سے ماسوی اللہ کا زنگ اُتارنے کی راہ ہے"-[13]

(لیکن) یاد رہے کہ یہ علم تصوف توحید کا علم ہے جو صرف دوستانِ الٰہی کو نصیب ہوتا ہے- وہ شخص احمق ہے جو اہل اللہ فقیروں کو مجنون و دیوانہ سمجھتا ہے اور اُن کے مراتب سے محروم رہتا ہے- دنیاداری میں عقلمند اہل ہو اِن اہل اللہ کو نہیں پہچانتے"-[14] مزید ارشاد فرمایا: "علم تصوف سے عارف رحمتِ الٰہی کی پناہ میں رہتا ہے جو کوئی علم تصوف پڑھنے سے منع کرتا ہے وہ زندیق ہے"-

کچھ کم علم و فہم یہ سوال کرتے ہیں کہ یہ علم تصوف کہاں سے آگیا؟ ان سے گزارش ہے کہ یہ فزکس، کیمسٹری، میتھ، کمپیوٹر، فلسفہ وغیرہ کے عنوانات و علوم کہاں سے آگئے؟ مقصد اُن علوم پہ اعتراض کرنا نہیں بلکہ صرف یہ باور کرانا مقصود ہے کہ جس طرح یہ علوم فرمانِ مصطفٰے (ﷺ) "اطلبوا العلم من المهد الى اللحد"[15] (ماں کی گود سے لے کر قبر تک علم حاصل کرو) کے ضمن میں آجاتے ہیں- اس طرح علم تصوف کی اصل بھی قرآن و سُنت میں روزِ روشن کی طرح عیاں ہے- اللہ عزوجل فہم کاملہ عطا فرمائے- آمین!

☆☆☆

[12] سر الاسرار فی مایحتاج الیہ الابرار

[13] سلطان العارفین، باھو ؒ، عقل بیدار، ایڈیشن ششم، (لاہور، العارفین پبلیکیشنز 2015ء)، ص:23

[14] سلطان العارفین، باھو ؒ، نور الہدیٰ، ایڈیشن ہفتم، (لاہور، العارفین پبلیکیشنز 2014ء)، ص:215
سلطان العارفین، باھو ؒ، امیر الکونین، ایڈیشن اوّل، (لاہور، العارفین پبلیکیشنز 2010ء)، ص:349

[15] روح البیان، جلد:5، ص:275

ABYAT-E-BAHOO

ابیاتِ باھو

فجری ویلے وقت سویلے نت آن کرن مزدوری ھو
کانواں ہلاں ہکسی گلاں تریجھی رلی چنڈوری ھو
مارن چیکھاں تے کرن مشقت پٹ پٹ سٹن انگوری ھو
ساری عمر پٹیندیاں گزری باھو کدی نہ پئی آ پوری ھو

Early in the morning, they start labouring Hoo
Crows and vultures are same and thirdly joined Chanduri Hoo
They would scream and struggle and they plunk out buds as insane Hoo
Whole of life spent in lamenting Bahoo but in shortage remain Hoo

Fajri welay waqt swelay nit 'Aan karan mazdoori Hoo
Kanwaa'N hilla'N hiksi galla'N tareejhi rally chan'Dori Hoo
Maaran che'Kha'N tay karan mushaqat pat pat su'Tan an'Gori Hoo
Saari umar pi'Taindiya'N guzri Bahoo kadi na pai 'Aa poori Hoo

Translated by: M. A. Khan

تشریح:

قلقل تسبیح زاہد گرچہ مقبول است و لیک   آہ درد آلود رندان را صفائے دیگر است

1-"زاہد کی تسبیح خوانی مراتبِ قبولیت تک ضرور پہنچ جاتی ہے مگر رندوں کی دردآلود آہوں کی اثر آفرینی کا قرینہ ہی کچھ اور ہے"-

اس مصرع کا مخاطب زاہد لوگ ہیں جو صبح سویرے اٹھ کر ذکر اذکار شروع کر دیتے ہیں اور ان کی عبادت کا مقصد محض ثواب کمانا یا زیادہ سے زیادہ آخرت یعنی جنت کا حصول ہوتا ہے- سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) نے ایسے زہد کی کئی مقامات پہ نفی فرمائی ہے- جیسا کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

"جان لے کہ عشق بلند پروازی کا نام ہے، مکھی چاہے ہاتھ ملے یا سر مارے یا بزار بار اڑانیں بھرتی پھرے پروانے یا شہباز کے منصب و مرتبے پر نہیں پہنچ سکتی- اسی طرح زاہد جتنی بھی ریاضت کر لے صاحبِ راز نہیں بن سکتا"-

عبادت کا مقصد تو فقط اللہ عزوجل کی معرفت و پہچان، مجلسِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حضوری ہوتا ہے لیکن بعض اوقات کچھ لوگ (عبادت گزار) نفس و شیطان کی چنگل میں پھنس کر ریاکاری یا پھر نام و ناموس کے چکر میں پڑ جاتے ہیں- جیسا کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:

"دنیا میں علمائے عامل بہت ہیں، متقی و زاہد علماء بھی بے شمار ہیں اور اہلِ دکان صاحبِ نام و ناموس پیر بھی بہت ہیں لیکن صاحبِ قربِ پروردگار عارف باللہ فنافی اللہ فقیر بہت قلیل ہیں"- مزید ارشاد فرماتے ہیں: "الغرض اس دنیا میں اہلِ علم عالم فاضل بہت ہیں اور زاہد و عابد و متقی و فقیہ بھی بہت ہیں مگر گمنام رہنے والا خفیہ صاحبِ باطن کامل فقیر ہزاروں میں سے کوئی ایک ہی ہوتا ہے جو مجلسِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دائمی حضوری میں کامل ہوتا ہے"-

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہاں اس زہد کی نفی کی جا رہی ہے جس کا مقصد قربِ خداوندی کی بجائے محض درجات کی بلندی یا عقبیٰ کا خوف یا لالچ ہو ورنہ بی بی راستی (رحمۃ اللہ علیہا) اور سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) نے جو عبادت و ریاضت کی وہ اپنی مثال آپ ہے جیسا کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) خود اپنے بارے میں ایک مقام پہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "میرا زندگی بھر ایک مستحب بھی قضا نہیں ہوا"- اندازہ لگائیں کہ کائنات میں اس سے بڑھ کر زہد کی کوئی مثال ہو سکتی ہے- لیکن آپ (رحمۃ اللہ علیہ) اس چیز پہ زور دیتے ہیں کہ زہد کو صرف ظاہر تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ اس کا مقصد باطن کی آباد کاری ہونا چاہیے- جیسا کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:

"پس اے زاہد! ریاضتِ باطنی اختیار کر کہ ریاضتِ باطنی مرتبۂ خاص کے کمال تک پہنچتی ہے اور ریاضتِ ظاہری عوام میں شہرت و ریا سے ہمکنار کرتی ہے"-

2-3: "کوا، چیل، چنڈوری (پرندوں کے نام) یہ سب اصطلاحیں دنیاداروں کیلئے استعمال کی گئی ہیں (کیونکہ) دنیادار کا دین و قبلہ درم و دنیا ہوتا ہے"- اس کی ساری تگ و دو دنیا اور حصولِ دنیا کیلئے ہوتی ہے- آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے نثری کلام میں کئی اصطلاحوں سے دنیاداروں کو تنبیہ فرمائی ہے- جیسا کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے ارشاد فرمایا:

"اگر کوئی فقر اور اللہ عزوجل کے نام سے برگشتہ ہوتا ہے اور ہمت و استقامت کو چھوڑ کر دنیا و اہلِ دنیا کی طرف مراجعت کرتا ہے تو وہ مرتبۂ شہبازی فقر و راز سے منہ موڑتا ہے- وہ گویا چیل ہے جس کی نظر مردار پر لگی ہوئی ہے اس لئے وہ دونوں جہان میں ذلیل و خوار ہے- اس کا دل دنیا سے سیر نہیں ہوتا- اس کی آنکھ میں دنیا کی بھوک بھری رہتی ہے- وہ فقر حقیقی اور سلطان الفقر تحقیقی تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ طالبِ دنیا ہے بلکہ زندیق ہے"- ایک اور مقام پہ ارشاد فرماتے ہیں: "اگر تو آئے تو دروازہ کھلا ہے- اس دروازے سے فقط طالبِ دیدار شہبازِ عارف ہی آتا ہے- لالچی و حریص طالبِ دنیا چیل اس دروازے میں داخل ہونے سے گریز کرتا ہے"- مزید ارشاد فرمایا: "بدنسل، کینہ ور اور بے خبر کتے کے سوا اور کون ہے جو مردار کی طرف مائل ہو؟ طالبِ دنیا آدمی بظاہر کتنی ہی شان و شوکت اور عزت و عظمت کا مالک کیوں نہ ہو باطن کتے سے بھی کمتر و کمینہ ہوتا ہے"-

4: یہ پرندے چونکہ اپنی فطرت کے لحاظ سے حرص، ہوس اور بے صبری کی علامت ہیں، محنت و مشقت کے باوجود پرندوں کی دنیا میں ان کا کوئی مقام نہیں، اسی طرح دنیادار بھی ساری زندگی محنت و مشقت میں گزار تا ہے لیکن نہ تو اس کی تگ و دو مکمل ہوتی ہے اور نہ اس کو منزل ملتی ہے- آپ (رحمۃ اللہ علیہ) طالب اللہ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"شہنشاہ دارا اس جہان سے کوچ کر گیا مگر جاہ و حشمت کو اپنے ساتھ نہ لے جا سکا، ایران کا بادشاہ کاؤس بھی اس جہان سے چلا گیا لیکن وہ بھی اپنا مقصود اپنے ساتھ نہ لے جا سکا- تو اسبابِ جہان میں دل نہ لگا کہ جمشید جیسا بادشاہ بھی جامِ جہاں نما کی حکایت کے سوا اپنے ساتھ دنیا سے کچھ نہ لے جا سکا- الغرض! کوئی بھی اس جہان سے اپنے ساتھ کچھ نہ لے جا سکا"- مزید ارشاد فرمایا: "تو نفس و شیطان و دنیا کو بھول کر اپنے قلب و روح کو ذکر اللہ میں اس طرح غرق کر دے کہ تو ہر وقت عشق و محبتِ الٰہی اور اسرارِ الٰہی کا مشاہدہ کرتا رہے اور تیرے وجود میں حرص و حسد، کبر و ہوا اور شہوات کا نام و نشان باقی نہ رہے، تو جو کام بھی کرے اللہ کے لئے کرے، جو پہنے اللہ کے لئے پہنے اور جو پیئے اللہ کے لئے پیئے"-

آپ ﷺ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے ہرگز نہیں دیکھا

اور آپ ﷺ سے زیادہ جمیل کسی عورت نے جنا ہی نہیں

آپ ﷺ ہر عیب سے پاک و صاف پیدا کئے گئے

گویا کہ آپ ﷺ اس طرح پیدا کئے گئے جیسا کہ آپ ﷺ نے چاہا

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

A Public Awareness Message